بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد نمبر ۶۲

شمارہ نمبر ۱۰

اکتوبر ۲۰۱۸ء

October 2018

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان :	۳۰۰/روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک :	۴۰/امریکی ڈالر
فی شمارہ :	۳۰/روپے
لائف ٹائم خریداری :	۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ – موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے .... مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں .... امۃ اللہ تسنیم 6
- اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین صرف دین اسلام ہے.... حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خاں صاحب ... 8
- ترکی کا سبق .... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 11
- خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ .... محمد خورشید اختر صدیقی (بیدر) 16
- نماز سے متعلق ہماری بعض کوتاہیاں اوران کا علاج .... ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی 20
- علم کا سفر .... منظور الحسن 24
- مغربی جہنم کی طرف رواں عورت .... اشفاق پرواز 26
- حیوانات کے حقوق اور اسلام .... محمد صابر حسین ندوی 28
- اک ذرا سی بات .... ام محمد سلمان 31
- اسلام ہی پوری دنیا میں امن وسکون بحال کرسکتا ہے ... ترجمہ: مبین محمد اعظمی 33
- خدمت میں عظمت .... ڈاکٹر ساجد خاکوانی 35
- نوجوانوں سے وقت کی فریاد .... مولانا محمد عبد القادر فرید قاسمی 39
- سوال وجواب .... مفتی راشد حسین ندوی 41
- آخری صفحہ .... مولانا قمر الزماں ندوی 42

اپنی بہنوں سے

مدیر

ہمارے ملک کے جو حالات اس وقت ہو گئے ہیں وہ کسی بھی شخص سے پوشیدہ نہیں ہیں جو ملک ایک مدت سے امن و امان کا گہوارہ تھا وہ فساد وانتشار اور نفرت کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ اور اب یہ حال ہو گیا ہے کہ کوئی بھی شخص اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ اگر وہ گھر سے نکلتا ہے تو خیریت سے واپس بھی آ سکتا، جنگل میں وحشی درندوں کے درمیان انسان تو محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن شہروں میں آبادیوں میں اس کی جان و مال محفوظ رہے اس کی کوئی ضمانت نہیں۔

ان حالات میں ہمارا کیا کردار ہونا چاہئے اور اس مشکل اور مسائل سے پُر دور سے کس طرح عہدہ برآ ہونا چاہئے یہ بہت غور و فکر کی بات ہے، جذبات سے الگ ہو کر وقتی جوش اور گرمی کو دماغ سے نکال کر اس سنگین صورت حال کی عقدہ کشائی کرنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔

کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ہم کو دنیا کے دیگر ممالک کے حالات کا گہرائی سے جائزہ لینا چاہئے۔ ان ممالک کے مسلمان جن مسائل اور حالات سے دوچار ہیں ان کو سامنے رکھنا چاہئے، قوموں کی زندگی میں ایک معمولی قدم بھی غیر معمولی اثر رکھتا ہے اور اس کے دوررس اور تاریخی اثرات ہوتے ہیں وہ قوم ہرگز ترقی نہیں کر سکتی جو عقل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے، اس سلسلہ میں ہمارے لئے روشن مثال ہمارے اسلاف کی ہے، جنہوں نے اس سے بھی زیادہ مشکل حالات میں زندگی گزاری ہے اور مصائب و تاریکیوں میں قندیل رہبانی بن کر نہ صرف خود کے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی روشن مینار ثابت ہوئے۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ سب سے بڑی ذمہ داری ہماری ہے ہم اس صورت حال کو بدلیں اپنی زندگیوں کو بدلیں اور اس کو اسلام کے سانچہ میں ڈھل کر سراپا محبت بن جائیں اور اسلام کا پیغام ہر ہر فرد کو پہنچائیں اور یہ ثابت کریں کہ اسلام ہی ایک ایسا تریاق ہے جو ہر قسم کے زہر کو ختم کر سکتا ہے اور اسی کے سایہ تلے انسانیت زندہ رہ سکتی ہے، رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا نمونہ ہمارے سامنے ہے، اگر ہم اس نمونے کو اپنے سامنے رکھ کر اپنی زندگی نہیں گزاریں گے تو چاہے ہم جتنے بڑے مظاہرے کریں بند منائیں، جلوس نکالیں، ہم کو قطعی کامیابی نہیں ملے گی، کیونکہ مسلمان اسلام کی زنجیر سے بندھی ہوئی قوم ہے جس کا سرا نبی عربی سرور کائنات رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں ہے جو اس مبارک زنجیر سے منسلک رہے گا وہ کامیاب ہوگا، اور جو اس زنجیر سے الگ ہوگا اور نیا راستہ اختیار کرے گا وہ رسوا اور برباد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

حدیث کی روشنی میں

جہاد

امۃ اللہ تسنیم

اللہ کے راستہ میں پہرہ دینا

حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستہ میں ایک دن پہرہ دینا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں تمہارے لئے صرف ایک کوڑے کی جگہ، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے اور کوئی اللہ کا بندہ، اللہ کے راستہ میں شام کو چلے یا صبح کو تو وہ دنیا سے اور جو کچھ اس دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے جہاد میں ایک دن، رات کو پہرہ دینا مہینے بھر کے روزے اور رات کے قیام سے بہتر ہے۔ اگر وہ پہرے دار اسی حالت میں مرجائے تو اس کے عمل کا ثواب اس کے لئے جاری رہتا ہے اور اس کا رزق (یعنی جنت کا طعام و شراب) اس کے لئے جاری رہتا ہے اور فتنہ میں ڈالنے والے سے محفوظ رہے گا۔ (مسلم)

حضرت فضالہؓ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آدمی کی زندگی کے خاتمہ پر اس کا عمل بھی ختم ہوجاتا ہے لیکن اللہ کے راستہ میں پہرہ دینے والے کا عمل قیامت تک بڑھایا جاتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ کے راستہ میں ایک دن پہرہ دینا دوسری جگہوں کے ہزاروں پہرہ دینے سے بہتر ہے۔ (ترمذی)

مجاہد کی فضیلت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کا ذمہ دار ہے جو اس کے راستہ میں نکلے اور فرماتا ہے کہ اس کو میری راہ میں جہاد کرنے، مجھ پر ایمان لانے اور میرے رسولوں کی تصدیق کے سوا کسی چیز نے نہ نکالا ہو تو مجھ پر اس کی ضمانت ہے کہ اس کو جنت میں داخل کروں (یعنی اگر وہ شہید ہو) یا اس کو ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ گھر پہنچادوں، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو زخم اللہ کے راستہ میں لگے گا تو قیامت کے دن اسی صورت میں آئے گا، گویا آج لگا ہے (یعنی خون ٹپکتا ہوا) اور رنگ اس کا خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی، اور مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر مجھے مسلمانوں کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں کسی سَریَہ کو بھیج کر نہ بیٹھ جاتا لیکن میں اس میں اتنی گنجائش نہیں پاتا کہ ان سب کی سواری کا انتظام کروں اور نہ ان میں اتنی گنجائش ہے کہ وہ خود ہی انتظام کرلیں اور میں چلا جاؤں اور وہ رہ جائیں، یہ بھی ان کے لئے مشکل ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میری تو یہی خواہش ہے کہ میں اللہ کے راستہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں، پھر جنگ کروں اور قتل کیا جاؤں، پھر جنگ کروں پھر قتل کیا جاؤں۔ (مسلم)

راہ خدا کا زخم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جس کے زخم لگے گا وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا، اور رنگ تو خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو

مسلمان اللہ کے راستہ میں اتنے دیر تک جنگ کرے کہ ایک بار اونٹنی کا دودھ دوہ کر دوسری بار دوہا جائے تو اس پر جنت واجب ہوئی اور جس کو اللہ کے راستہ میں کوئی زخم لگایا کوئی تکلیف پہنچی تو وہ قیامت کے دن اس صورت سے آئے گا گویا آج زخم لگا ہے اور رنگ زعفران کا ہوگا اور بو مشک کی ہوگی۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

جہاد فی سبیل اللہ ستر سال کی عبادت سے افضل ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابیؓ کسی گھاٹی سے گزرے جس میں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا۔ ان کو چشمہ بہت خوشگوار لگا، کہنے لگے اگر میں لوگوں سے علاحدگی اختیار کرتا تو اسی گھاٹی میں قیام کرتا، مگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر اجازت ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرنا، تمہارا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا اپنے گھر میں ستر سال نماز پڑھنے سے افضل ہے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخشے اور جنت میں داخل کرے، اللہ کی راہ میں اللہ کے دشمنوں سے لڑو، جو اللہ کی راہ میں اتنی دیر تک جنگ کرے کہ ایک بار اونٹنی دوہ کر دوبارہ دوہی جائے تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ (ترمذی)

مجاہد کی مثال

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد فی سبیل اللہ کے برابر کوئی عمل ہے۔ فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھ سکتے، وہ دو یا تین مرتبہ یہی سوال دہراتے رہے اور آپ ہر مرتبہ یہی فرماتے رہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، پھر فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو ہمیشہ نماز میں کھڑا رہے اور ہمیشہ روزے رکھے، اور اللہ کی آیتوں پر عمل کرے اور روزہ نماز میں مجاہد فی سبیل اللہ کے پلٹ آنے تک کبھی سستی نہ کرے۔ (بخاری۔ مسلم)

یہ لفظ مسلم کے ہیں اور بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتایئے جو جہاد کا بدل ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا عمل کوئی نہیں، پھر فرمایا کیا تم اس کی طاقت رکھتے ہو کہ مجاہد جہاد کے لئے نکلے اور تم اپنی مسجد میں نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور روزہ بھی ہو مگر مجاہد کے واپس ہونے تک نہ روزہ افطار کرو (یعنی ناغہ نہ کرو) اور نہ نماز میں سستی کرو، وہ بولے بھلا کس کو طاقت ہے۔

بہترین زندگی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر زندگی اس شخص کی ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کے راستہ میں تھامے رہے جیسے ہی کوئی دھماکہ یا گھبراہٹ کی بات سنے تو فوراً اڑ کر اس کی پیٹھ پر بیٹھ جائے شہادت یا موت کے موقع کی تلاش میں رہے یا وہ آدمی جو اپنی بھیڑ یا بکری کو لے کر کسی گھاٹی یا وادی میں سکونت اختیار کرے نماز پڑھے زکوۃ دے اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہے حتیٰ کہ اس کو موت آجائے اور لوگوں سے سوائے بھلائی کے کوئی واسطہ نہ رکھے۔ (مسلم)

مجاہد کی جنت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھے ہیں اور ہر دو درجوں میں ایسا فرق ہے جیسا آسمان و زمین میں۔ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کو اپنا رب سمجھ کر، اسلام کو اپنا دین سمجھ کر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول سمجھ کر راضی ہو جائے اس پر جنت واجب ہوگئی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کو یہ بات پسند آئی، عرض کیا یا رسول اللہ اس بات کو پھر فرمایئے، حضور صلی اللہ علیہ سولم نے دوبارہ ارشاد فرمایا، پھر فرمایا دوسری چیز ایسی ہے کہ اللہ جل شانہٗ اپنے بندوں کو جنت میں سو درجے عطا فرمائے گا اور ہر دو درجوں میں ایسا فرق ہے جیسے آسمان زمین کا فرق۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا چیز ہے۔ فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (مسلم)

حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین صرف دین اسلام ہے

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ، وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ، وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔

(آل عمران، آیت:19-18)

ترجمہ: "اللہ نے گواہی دی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی، وہی حاکم انصاف کا ہے، کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے، زبردست ہے، حکمت والا۔ بے شک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری اور مخالف نہیں ہوئے کتاب والے، مگر جب ان کو معلوم ہو چکا آپس میں ضد اور حسد سے اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔"

ربط

ابتدائی سورت میں، انصاری کے ساتھ مناظرہ کرکے، توحید کا اثبات اور عقیدہ تثلیث کا ابطال کیا گیا۔ اسی مناسبت سے چند مضامین درمیان میں آئے، اب دوبارہ عقیدہ توحید پر دلائل قائم کرکے مسلمانوں کو اس کا علم بردار ٹھہرایا گیا اور بتایا گیا کہ اب دین اسلام کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔ اہل کتاب کے انکار حق پر ان کی مذمت کی گئی، بطور سزا دنیا میں مغلوب ہونے کی اور اہل اسلام کے غلبے کی پیشین گوئی کی گئی اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی اور حلیف بننے سے روکا گیا۔ راندہ درگاہ قوموں سے دوستی عذاب الٰہی کو متوجہ کرنے اور دین اسلام کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور علمائے دین، توحید کے گواہ ہیں

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ. (18) اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل ظاہر فرمائے، ملائکہ اور علمائے دین نے ان دلائل کو دیکھ کر توحید کا اقرار کیا اور اس کی گواہی دی۔ گویا لفظ "شہد" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہونے کی صورت میں اس کا معنی "دلائل توحید ظاہر کرنا" ہے، ملائکہ اور علماء کی طرف نسبت کی صورت میں اس کا معنی "دلائل توحید کو دیکھ کر اقرار کرنا" ہے۔ جب لفظ مجمل ہو تو ایک ہی وقت میں اختلاف نسبت کی بنا پر مختلف معانی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اس صورت میں جمع بین الحقیقۃ والمجاز یا عموم مشترک کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ (احکام القرآن للجصاص، احزاب، ذیل آیت نمبر: 73) کیونکہ احناف کے ہاں درست نہیں۔ (احکام القرآن ظفر احمد تھانوی، آل عمران، ذیل آیت:18) البتہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عموم مجاز میں سے قرار دیا ہے۔ (روح المعانی، آل عمران، ذیل آیت نمبر:18)

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر گواہی دو طریقے سے دی ہے:

عقلی...... صحیفہ کائنات پر پھیلا ہوا قدرت کا کارخانہ اس کی توحید کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ یہ زمین و آسمان، بحر و بر، چاند و سورج کا طلوع و غروب، لیل و نہار کی گردش، بارشیں، ہوائیں، سیارے، تا فلک اونچے پہاڑ، تا حد نگاہ پھیلے ہوئے جنگلا و صحرا ہمیں کسی ایک ایسی ذات کا پتہ دیتے ہیں جو اس کارخانہ عالم کو انتہائی باریک بینی کے ساتھ چلا رہا ہے۔ یہ سب توحید کے عقلی دلائل ہیں، جو عالم انس پر ظاہر فرمائے ہیں۔

نقلی...... اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ

کتابوں میں توحید کی بابت آیتیں اس کی توحید پر نقلی دلائل ہیں۔ عقلی دلائل توحید پورے عالم انسانیت کے لئے حجت ہیں اور نقلی دلائل اہل کتاب کے لئے خصوصی طور پر حجت ہیں۔ اہل کتاب یہودی، نصرانی اور مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے گواہی دی۔ فرشتوں اور علمائے حق نے ان دلائل کو دیکھ کر توحید کی گواہی دی۔

اللہ تعالیٰ انصاف کو قائم کرنے والا ہے

ترکیب میں "قائماً بالقسط" شھد اللّٰہ میں لفظ "اللہ" سے حال واقع ہو رہا ہے۔ (تفسیر کبیر، آل عمران، ذیل آیت:18) اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر خود گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں درآنحالیکہ وہ انصاف کے ساتھ کائنات کو قائم کئے ہوئے ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اسی ترکیبی احتمال کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں ان فلاسفہ کی تردید ہوئی ہے جو کائنات کی تخلیق کے بعد کائنات کے نظام کو قانونِ فطرت کا پابند بنا کر ذات واجب الوجود کو معطل قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف کائنات کو پیدا فرمایا، بلکہ ہر لحہ اس کی تدبیر بھی خود بہ نفس نفیس فرما رہے ہیں، مشیت خداوندی کے بغیر کوئی پتہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا۔

علمائے حق کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ اہل علم کی گواہی بیان فرما کر علماء کی عظمت کو نمایاں کیا ہے۔ علماء پر فرشتوں کا تذکرہ اس لئے مقدم ہے کہ فرشتے دلائل توحید پہنچانے میں وسیلہ ہیں، انہیں کے ذریعے وحی کا نزول ہوتا ہے۔ نیز فرشتوں کا علم کسبی نہیں، جب کہ علماء کا علم کسبی ہے۔ (تفسیر روح المعانی، آل عمران، ذیل آیت:18) اسی طرح اس آیت سے علم دین کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ (تفسیر ابی السعود، آل عمران، ذیل آیت:18)

حضرت زبیر بن العوام فرماتے ہیں کہ میں نے عرفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: (شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ) پھر فرمایا: اے میرے پروردگار! میں بھی ان گواہوں میں سے ایک گواہ ہوں۔ (مسند احمد، رقم الحدیث:1424)

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین صرف دین اسلام ہے

(اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ)۔ (19)

اس آیت کریمہ میں صاف صاف اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف دین اسلام ہی قابل قبول ہے۔

اس کے علاوہ کوئی دین، خواہ وہ آسمانی ہو یا غیر آسمانی، غیر مقبول اور مردود ہے۔ آسمانی مذاہب یہودیت و نصرانیت اور غیر آسمانی مذاہب شرک والحاد کی کھلی تردید کی گئی ہے۔ سابقہ آسمانی مذاہب کا عہد ختم ہو چکا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی رضا دین اسلام ہی سے حاصل ہوگی: (وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ، وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ)۔ آل عمران:85)

''اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین، سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے۔''

دین حق کے علمبرداروں کی ذمہ داری

1- اس وقت امت مسلمہ ہی دین حق کی علمبردار ہے۔ اس پر دعوت حق کا جو بار ڈالا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد اس کامل یقین کے ساتھ زندگی گزارے اور دوسروں کو دعوت دے کہ دنیا میں اس وقت دین حق صرف اور صرف دین اسلام ہے۔

2- اس کے علاوہ جس قدر مذاہب دنیا میں پائے جاتے ہیں، خواہ وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی، بعثت نبوی کے بعد باطل ٹھہرتے ہیں۔

3- جب دین اسلام ہی حق ہے تو پھر امت مسلمہ ہی وہ واحد جماعت ہے جو خالق کائنات کی فرمانبردار ہے اور امت کافرہ خالق کائنات کی نافرمان اور باغی جماعت ہے۔ فرمانبردار کو باغی پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ دونوں کے حقوق یکساں نہیں ہوتے، تفاوت ہوتا ہے۔ موجودہ دور کے عالمی فتنوں میں سے ایک فتنہ تمام ادیان کو برابر سمجھنا،

سب کو برحق سمجھنا ہے۔ ڈھول پیٹا جارہا ہے کہ سب مذاہب اپنی اپنی جگہ برحق ہیں، کسی کی نفی نہ کی جائے، کسی کو کسی پر فوقیت نہ دی جائے۔ یادرکھئے! یہ ایمان نہیں، کفر ہے، ان الدین عند الاسلام کی تکذیب ہے۔ اس نظریہ کا پرچار کرنے والوں سے سوال ہے کیا کسی ملک کے باغی کو اس ملک کا خیر خواہ سمجھ کر اسے شہری حقوق دے کر وسعت ظرفی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں، تو پھر خالق کائنات کے باغی گروہ کو کس بنا پر فرمانبرداروں کے برابر حقوق دیئے جائیں۔

دین کی لغوی و اصطلاحی تعریف

لفظ دین متضاد معنی رکھنے والا ہے، اس کا معنی اطاعت بھی آتا ہے، معصیت بھی۔ (کشاف اصطلاحات الفنون: 1/503) نیز لغت میں اس کا اطلاق بدلہ، فکر و نظر، قانون، رائے، سیاست اور تدبیر پر بھی ہوتا ہے۔

اصطلاح میں دین کے دو معنی متعارف ہیں:

1- جب دین کا لفظ احکام عملیہ کے مقابلے میں استعمال ہو تو اس سے اصولی عقائد، یعنی توحید، رسالت، معاد مراد ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

(شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا وَّ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ) قال مجاهد: وصيناك يا محمد و اياهم ديناً واحداً (ابن جریر، الشوریٰ، ذیل آیت: 13)

"راہ ڈال دی تمہارے لئے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف" مجاہد کہتے ہیں کہ: اے محمد! ہم نے آپ کو اور ان کو ایک ہی دین کا حکم دیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نحن معشر الانبياء، اولاد علات ديننا واحد." (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 3443)، صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2365، ابن حبان، رقم الحدیث: 6194)

یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی اصولی دعوت توحید، رسالت، معاد ایک ہی تھی، البتہ احکام عملیہ میں اختلاف رہا۔

ابن ابی العز عقیدہ طحاویہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

"ثبت فی الصحیح عن ابی هريره رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم انه قال: انا معاشر الانبياء، و ديننا واحد." وقوله تبارك تعالىٰ: (ومن يبتغ غير الاسلام ديناً فلن يقبل منه) عام فی كل زمان ولكن الشرائع تختلف." (شرح العقيدة الطحاوية لان باى العز، ص:585، هكذا فی شرح كتاب الفقه الاكبر للملا على القارى، ص:150)

2- جب قرآن و سنت میں دین اسلام (اسلام سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام احکام، خواہ عملی ہوں یا اعتقادی، ان کی دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنا ہے) کے ہم معنی یا اس کے توافق میں استعمال ہو تو دین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ احکام اعتقادیہ اور عملیہ پر ایمان لانا)۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **"الدين اسم واقع على الايمان و الاسلام والشرائع كلها." (الفقه الاكبر، ص:150)**

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بطال کے حوالے سے "دین" کی تشریح نقل فرمائی:

"الدين يقع على العمل كما يقع على القول." (المنهاج للنووى: 1/54)

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان الدين عند الله الاسلام" سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء اور رسولوں کا دین، دین اسلام ہی ہوتا ہے اور ان کے پیروکاروں کا بھی وہی ایک دین ہوتا ہے۔ اسلام آسمان والوں کا اور زمین کے موحدین کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ کسی دین کو قبول نہیں فرماتے، اہل زمین کے چھ ادیان ہیں، ایک رحمٰن کیلئے اور پانچ شیطان کے لئے۔ رحمٰن کا دین اسلام ہے اور شیطان کے دین یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابئیت اور شرک ہے۔ (مدارج السالکین: 3/476)

اب "دین اسلام" نام ہے آپ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لانے، اقرار کرنے اور اس پر عمل کرنے کا۔ یہی حق ہے اور نجات اسی میں منحصر ہے۔

□□□

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترکی کا سبق

اگر دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو بہت سی قومیں وہ ہیں کہ نہ ان کی کوئی تاریخ تھی نہ تہذیب، نہ کوئی سلطنت تھی نہ کوئی تمدن اور نہ علم و فن کی دنیا میں ان کا ذکر آتا تھا، وہ ایک گم نام، علم و معرفت سے محروم، تہذیب و شائستگی سے عاری، سلیقۂ فرمانروائی سے تہی دست اور فکری اثاثہ سے محروم قومیں تھیں، لیکن جب انہوں نے اسلام سے اپنا رشتہ جوڑا تو تہذیب و تمدن کی امامت، قافلۂ علم و فن کی سالاری اور ظاہری و معنوی ترقی کا نمونہ بن گئیں، جن کی جہالت و تاریکی کی مثال دی جاتی تھی، وہ دوسروں کے لئے چراغ راہ بن گئے، جن کو لوگ اپنا محکوم بنانا بھی پسند نہیں کرتے تھے، وہ حکمرانوں کے لئے خضر طریق ہو گئے۔

یوں تو اس طرح کی بہت سی قومیں تھیں، خود ہندوستان میں جو عجمی نژاد حکمراں رہے، ان کا حال بھی یہی تھا، لیکن دو قومیں اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک: عرب، دوسرے ترک، عرب ایک ایسی قوم تھی، جن میں دو تین اخلاقی خوبیاں ضرور تھیں، مگر ان کے علاوہ وہ ہر طرح کی برائی میں لت پت تھے، وہ نہ صرف تعلیم سے محروم تھے، بلکہ اپنے اُمی ہونے پر فخر کرتے تھے، وہ نہ صرف ظلم و غارت گری میں مبتلا تھے، بلکہ ان کو اس پر کوئی شرمندگی بھی نہ تھی، بہت سی اخلاقی برائیوں کو وہ جذبۂ فخر کے ساتھ کھلے عام کیا کرتے تھے، تہذیب و تمدن کا ان کے یہاں کوئی گذر نہیں تھا، نہ صرف یہ کہ انہوں نے کوئی نظام حکومت قائم نہیں کیا، بلکہ جزیرۃ العرب کے پڑوس کی دو بڑی طاقتیں۔ روم و فارس۔ انہیں اس لائق بھی نہیں سمجھتی تھیں کہ اپنی قلم رو کا حصہ بنائیں، لیکن جب عرب کے صحرائے بے آب و گیاہ میں اسلام کا سورج روشن ہوا تو ایشیا، افریقہ اور یورپ ان کے زیر نگیں آگئے اور وہ مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کے استاذ و معلم بن گئے، جب تک انہوں نے اس حقیقت کو یاد رکھا کہ انہیں اسلام سے عزت ملی ہے، وہ دنیا میں عزت و سربلندی کے زینوں پر چڑھتے گئے اور جب انہوں نے اسلام سے منہ موڑا تو ذلت و خواری کے ایسے غار میں گرے کہ ان کی ناکامی اور نامرادی قوموں کے لئے مثال بن گئی۔

فتح بیت المقدس کے موقع پر جب عیسائیوں کے مطالبہ پر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس تشریف لائے، تو صورتِ حال یہ تھی کہ آپ کے ساتھ کوئی لاؤ لشکر نہیں تھا، آپ اونٹنی پر سوار تھے، جس کو عرب میں کم درجہ کی سواری سمجھا جاتا تھا، آپ کے ساتھ صرف آپ کا غلام تھا، کچھ دور آپ اونٹنی پر بیٹھتے اور غلام نکیل تھامتا، اور کچھ دور آپ اس کو اونٹنی پر بٹھاتے اور خود نکیل تھامتے، جوتا پھٹا ہوا، جسم گرد و غبار سے اَٹا ہوا، کرتے پر چودہ پیوند جن میں بعض چمڑے کے تھے۔ سپہ سالار لشکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر خیال ہوا کہ آپ کو بہتر کپڑا زیب تن فرمالیں، چنانچہ ایک بیش قیمت جوڑا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا، جو اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اسے آب زر سے لکھ رکھے:

انکم کنتم اذل الناس و احقر الناس و اقل الناس، فاعزکم اللہ بالاسلام فمھما تطلبوا العز بغیرہ یذلکم اللہ۔

تم لوگوں میں سب سے زیادہ عزت سے محروم، سب سے زیادہ حقیر اور سب سے زیادہ قلیل التعداد تھے، اللہ نے اسلام کے ذریعہ تم کو عزت عطا فرمائی، تو جب بھی تم اسلام کے بجائے کسی اور ذریعہ سے عزت کے طلبگار ہو گے، اللہ تم کو ذلیل و رسوا فرمائیں گے۔

عربوں کا زوال اس طرح ہوا کہ وہ

دولت اور اسباب عیش و راحت کو عزت حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھنے لگے، اور انہوں نے اپنے عشرت کدوں کو سجانا شروع کردیا، عباسیوں کا آخری دور جس کے بعد عالم اسلام سے عربوں کا اقتدار جاتا رہا۔ فرمانرواؤں کی کیا صورت حال تھی؟ اس کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

اُمراء کے یہاں پرتکلف کھانوں کے لئے جو مرغ پکائے جاتے تھے، ان کو کچھ دنوں تک پہلے دانے اور پانی کے بجائے خشک میوے کھلائے اور عرق گلاب پلایا جاتا تھا، ہارون رشید کے دسترخوان پر ایک وقت میں تیس تیس قسموں کے کھانے ہوتے تھے، مطبخ کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ تھا، مامون کا ذاتی خرچ چھ ہزار اشرفی یومیہ تھا، جس کا بڑا حصہ باورچی خانہ پر صرف ہوتا تھا، مقتدر کے عام اور خاص مطبخ کا خرچ دس ہزار اشرفی ماہانہ تھا، باورچیوں کی تنخواہ ایک ہزار اشرفی ماہانہ تھی، قاہر کے دسترخوان پر تیس اشرفی روزانہ کے میوے ہوتے تھے، ان کے اُمراء کا دسترخوان بھی بہت پرتکلف اور وسیع تھا، وزیر ابوالحسن بن فرات کے باورچی خانہ میں تین سو اشرفی ماہانہ کا صرف مشک خرچ ہوتا تھا، اس کے دو باورچی خانے تھے، ایک عام لنگر خانہ کے لئے، دوسرا خاص، مطبخ عام میں نوے بکریاں، تیس برے، دو سو مرغیاں، دو سو چوزے اور دو سو تیتر روزانہ خرچ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ متوکل کا دل چاہا کہ شراب کی ہر چیز کا رنگ زرد ہونا چاہئے، اس کی اس طرح تعمیل کی گئی کہ ایک حوض پر سونے سے مرصع صندل کی لکڑی کا ایک قبہ بنایا گیا اور اس میں زرد دیبا کے پردے آویزاں کئے گئے، اور اسی کا فرش بچھایا گیا، حوض کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی نہریں رواں تھیں، ان کے پانی میں زعفران گھولا گیا اور متوکل کے سامنے زرد وستفیو (ایک قسم کی خوشبو) لیموں اور زرد رنگ کی نبیذ سونے کی کشتی میں لگا کر پیش کی گئی، اس مجلس میں جو لونڈیاں شریک تھیں، ان کا لباس زرد کتان کا تھا، اس اہتمام میں کئی ہزار اشرفیاں صرف ہوئیں (تاریخ اسلام: شاہ معین الدین ندوی۔4/423)

لیکن ایک طرف حکمرانوں کی عیش پرستی، دوسری طرف عربوں اور ترکوں کے درمیان باہمی نفرت نے پھر اس کو زوال اور شکست و ریخت سے دوچار کردیا، بالآخر جنگ عظیم کے بعد مغرب نے عالم اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے، انہوں نے اسی پر اکتفاق نہیں کیا، بلکہ ترکی پر بہت ہی ظالمانہ شرطیں عائد کردیں، 1923ء میں جو معاہدہ ہوا۔ جسے معاہدۂ لوزان کہا جاتا ہے۔ میں ترکوں کو سو سال کے لئے پابند کیا گیا کہ وہ خلافت عثمانیہ کو ختم کردیں، سلطان اور اس کے خاندان کو ملک بدر کردیں، ان کو اگلے سو سال تک اپنی سرزمین میں نہ پٹرول تلاش کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ نکالنے، وہ صرف باہر سے پٹرول خرید سکیں گے، ابنائے باسفور کو عالمی آبی گذرگاہ کا درجہ حاصل ہوگا، اور اسے گذرنے والوں سے اجرت لینے کا حق نہیں ہوگا۔

چونکہ یہ خلافت پورے عالم میں مسلمانوں کی وحدت کا نشان تھی، اس لئے مغرب کو اس خلافت سے شدید بغض تھا، اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح قباء خلافت چاک بلکہ تار تار ہوجائے، بالآخر 1924ء میں ان کی یہ سازش کامیاب ہوگئی، تن آسانی، عشرت پسندی، علمی ترقی کی طرف سے بے توجہی، عوام کے ساتھ نامنصفانہ سلوک اور باہمی اختلاف کی وجہ سے اس عظیم سلطنت کا خاتمہ ہوگیا، پھر بھی یہ بات تاریخ میں محفوظ رہے گی کہ ترک بھی ایسی قوم تھے جن کے یہاں تہذیب وتمدن کا کوئی گذر نہیں تھا، نہ علم تھا نہ تمدن، نہ حکومت تھی نہ سلطنت، بلکہ یہ خانہ بدوشوں کی زندگی گزارتے تھے، اور لوٹ مار کے ذریعہ اپنی ضرورت پوری کرتے تھے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انہیں ایمان کی دولت حاصل ہوئی، آہستہ آہستہ یہ اقتدار کے بام عروج تک پہنچے، اور وہ عظیم الشان خلافت عثمانی قائم ہوئی، جس نے 1299ء سے لے کر 1962ء تک پورے عالم اسلام کی قیادت کی، ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے ڈھیر سارے ممالک یعنی موجودہ چھوٹے بڑے 49 ممالک خلافت عثانیہ میں شامل تھے، اس عظیم الشان سلطنت نے قریب قریب پورے مشرقی یورپ کو اپنی عملداری میں شامل کرلیا تھا، یہ حکومت دریائے فرات سے دریائے ڈانوب تک وسعت اختیار کرچکی تھی، امریکہ بحر متوسط میں امریکہ جہازوں کی حفاظت کے عوض

الجزائر کو ٹیکس ادا کرتا تھا، جارج واشنگٹن نے ترکی کو عثمانی طلائی سکہ بارہ ہزار لیرا سالانہ ادا کرنے کا معاہدہ کیا تھا، یہ ترکی ہی تھا جس نے 25 صلیبی حملوں کو نہایت قوت کے ساتھ کچل دیا، صلیبی طاقتوں کا حال یہ تھا کہ خلیفۂ عثمانی سلیمان قانونی کی وفات پر یورپ کے کلیساؤں میں شادیانے بجائے گئے، اور تین دنوں تک اظہار مسرت کے لئے عبادت کی گئی، ان ہی عثمانی سلاطین میں سے محمد الفاتح بھی ہیں، جنہوں نے 29 مارچ 1453ء کو صرف 21 سال کی عمر میں قسطنطنیہ کو فتح کیا، جس کا خواب مسلمان بنوامیہ کے دور سے دیکھتے آرہے تھے، اور جس کے فتح کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی، جب خلافت عثمانیہ بستر مرگ پر تھی، اور زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی، اس وقت بھی سلطان عبدالحمید نے اسلام اور ملت اسلامیہ سے وفاداری کی ایسی تاریخ رقم کی کہ بہ مشکل ہی اس کی مثال ملے گی کہ جب یہودیوں نے فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت مانگی اور اس کے عوض مقروض اور مالی بحران سے دوچار خلافت کو ایسی رقم کی پیشکش کی، جس سے اس کی مالی مشکلات حل ہوجائیں تو انہوں نے اسے ٹھکرادیا، سلطان نے اپنے اقتدار کے خاتمہ کو قبول کیا، لیکن اپنا ضمیر بیچنے کو تیار نہ ہوئے۔

افسوس کہ بجائے اس کے ترک حکمراں اس زوال کے حقیقی اسباب پر غور کرتے اور وہ اسلام سے اپنا رشتہ استوار کرتے، اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا نے تصور دیا کہ ان کے زوال کا سبب اسلام ہے، اس نے بہت سی مسجدیں مقفل کردیں، مدارس بند کردیے، ترکی ٹوپی پہننا جرم قرار پایا، مردوں کے لئے داڑھی اور عورتوں کے لئے حجاب کو ممنوع قرار دیا گیا، عربی زبان میں اذان اور تلاوت قرآن کی ممانعت کردی گئی، اور ہر اس چیز کو مٹانے کی کوشش کی گئی، جس سے اسلام کی پہچان اور مسلمانوں کا تشخص وابستہ تھا، کم و بیش 70-80 سال ترکی اسی حال میں رہا، اور وہاں الحاد و دہریت کو پختہ سے پختہ تر کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی، یہ نہ صرف نادان ترک حکمرانوں نے کیا، بلکہ مغربی طاقتوں نے بھی اس میں ان کی بھرپور مدد کی۔

مگر ترک مسلمانوں میں اسلام کی طرف واپسی کی آرزو باقی رہی، اور انہوں نے اس کے لئے ایک طویل اور پُر مشقت سفر طے کیا، جب دینی مدارس اور مذہبی اداروں پر پابندی لگ گئی تو وہاں کے علماء و مشائخ نے خانقاہوں کے ذریعہ اسلام کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا، اور صوفیانہ اوراد و اشغال کے پردہ میں نئی نسل کو دین کی تعلیم دی اور انہیں اسلام سے جوڑا، جو لوگ اپنی ظاہری وضع قطع کے اعتبار سے بالکل آزاد خیال اور سیکولر نظر آتے تھے، ان کے دل و دماغ پر بھی محنت کی، پھر یہی تربیت یافتہ افراد بتدریج سیاست کے میدان میں آئے، اور پہلی بار جب ایک وزیر اعظم نے عربی زبان میں اذان کی اجازت دی تو اسی کی پاداش میں اس مرد مومن کو پھانسی کا پھندا قبول کرنا پڑا، پھر آہستہ آہستہ اسلام پسندوں کے نمائندہ کی حیثیت سے نجم الدین اربکان میدان عمل میں اُترے، فوج کے مظالم کے باوجود عوامی تائید وتقویت کی وجہ سے اس طبقہ کی قوت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ طیب اردگان ایک روشنی بن کر طلوع ہوئے، اور پختہ عزم وحوصلہ، جہد مسلسل، خداداد ذہانت اور جذبۂ خدمت کی بدولت اب ترکی کی مسند صدارت پر جلوہ افروز ہیں، یہ مقام انہوں نے اکثر مسلم ممالک کی طرح خاندانی بادشاہت اور فوجی آمریت کے ذریعہ حاصل نہیں کیا، بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن، ان کی محبت کا مرکز اور ان کا مطلوب ومقصود بن گئے، اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرور سے ان کی حفاظت فرمائے، اور ترکوں کو اس لائق بنائے کہ وہ نہ صرف اپنی بلکہ پورے عالم اسلام کی عظمت رفتہ کو واپس لائیں، اور صیہونی وصلیبی طاقتوں کی غلامی سے عالم اسلام کو آزاد کرائیں۔

ترکی کے اس خوشگوار انقلاب میں کئی سبق آموز پہلو ہیں، جو عالم اسلام کے لئے بھی اہم ہیں، اور غیر مسلم اکثریت ممالک میں آباد مسلمانوں کے لئے بھی۔

1- افراد سے سماج بنتا ہے اور اکثر ملک مختلف سماجی اکائیوں پر مشتمل ہوتا ہے، عموماً جو لوگ اصلاح کا علم لے کر اُٹھتے ہیں، وہ شروع ہی سے ایک وسیع ملک گیر اور بے لچک اصلاح کی بات کرتے ہیں اور حکومت یا

نظام حکومت کی تبدیلی کی بات کی جاتی ہے، اس کی وجہ سے باہمی ٹکراؤ کی نوبت آتی ہے، جیسے ہر جاندار کو سب سے زیادہ عزیز اپنی جان ہوتی ہے، حکمرانوں کو اپنی جان سے بھی بڑھ کر اپنی حکومت عزیز ہوتی ہے، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے جور وظلم کی وجہ سے احتجاج کرنے والی قوتیں پاش پاش ہو کر رہ جاتی ہیں، کبھی کوششوں کا آغاز پورے سماج سے کیا جاتا ہے، لیکن اگر افراد تربیت یافتہ نہ ہوں تو ایسی کوششیں تشدد کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں، چنانچہ پڑوسی ملک میں ایسا ہوا کہ برائی کی اصلاح کے نام پر لوگوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ایسا عمل اور ردعمل شروع ہوا کہ پورے ملک کا امن وامان غارت ہو گیا۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ فرد سے اصلاح شروع کی جائے، اس کا نتیجہ بتدریج ظاہر ہوتا ہے، مگر اس کا اثر گہرا ہوتا ہے اور یہ کوشش پُرامن انداز میں انجام پذیر ہوتی ہے، ترکی میں ایسا ہی ہوا کہ کوئی سیاسی تحریک برپا کئے بغیر انفرادی طور پر ذہن سازی کی گئی، یہ ذہن سازی عوام کی تو کی ہی گئی، لیکن خاص طور پر ان نوجوان طلبہ وطالبات کی بھی کی گئی، جن کو مستقبل میں سرکاری عہدوں کی کرسیوں پر بیٹھنا تھا، اور فوجی نظام کا حصہ بننا تھا، اس میں دیر تو لگی، لیکن ایسی تبدیلی آئی کہ فوج میں بھی اچھی خاصی تعداد اسلام پسند لوگوں کی ہو گئی، اور جب اردگان کے خلاف فوجی بغاوت ہوئی تو فوج کی ایک بہت چھوٹی سی ٹکڑی ہی اس بغاوت میں شامل ہوئی، اور عوام اس طرح دیوانہ وار باہر نکل آئے کہ آخر یہ بغاوت ناکام ہوئی۔

2- ترکی کے حالیہ انقلاب نے ثابت کیا ہے کہ آج بھی صالح انقلاب کے لئے سب سے مؤثر طریقہ وہی ہے، جو خانقاہوں کے ذریعہ اختیار کیا جاتا رہا ہے، یہ نظام دلوں میں ایمان کی چنگاری کو سلگاتا ہے، سوچ کو بدلتا ہے اور کسی ٹکراؤ کے بغیر اپنے حلقے کو وسیع کرتا جاتا ہے، اسی نظام کے ذریعہ بہت سے ملکوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی، خاص کر برصغیر میں اسلام کی اشاعت میں اس کا بڑا رول رہا ہے، اسی طریقہ پر ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی کوششیں بارآور ہوئیں، اسی انداز پر نورسی تحریک نے پورے ترکی پر اپنا اثر ڈالا، چونکہ تزکیہ نفس کے یہ ادارے کسی ٹکراؤ کے بغیر کام کرتے ہیں اور دوست ودشمن سب کو گلے لگاتے ہیں، اس لئے ان کی مزاحمت نہیں ہوتی، اگر اس نظام کو بدعت سے بچاتے ہوئے فروغ دیا جائے تو افراد کی اصلاح کے لئے شاید ہی اس سے مؤثر کوئی اور طریقہ ہو۔

3- یہ بھی ضروری ہے کہ دینی کام کا بیڑا اُٹھانے والے حضرات عبادت اور حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ خلق اللہ کے لئے اپنی نافعیت ثابت کریں، اور اس کی بنیاد ہے: عصری تعلیم اور جدید ٹکنالوجی کی طرف توجہ، افسوس کہ گزشتہ کئی صدیوں سے نہ مسلمانوں نے اس پر توجہ دی اور نہ مسلم حکومتوں نے، آج کل دانشور حضرات کو اجتہاد کی بڑی فکر دامن گیر ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے سارے زوال کا سبب اجتہاد کا بند ہو جانا ہے، یہ بالکل سطحی اور غیر واقعی سوچ ہے، اولاً تو علماء نے جہاں اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے، وہیں اجتہاد سے منع کیا ہے، اگر نئے مسائل درپیش ہوں اور اجتہاد کی ضرورت ہو تو وہاں کسی نے اجتہاد سے منع نہیں کیا، لیکن یہ حضرات غور کریں کہ اُن کا میدان تو عصری تعلیم، سائنس اور ٹکنالوجی کا ہے، کیا کبھی کسی عالم نے آپ کے میدان میں اجتہاد کرنے سے منع کیا ہے؟ طب یونانی سیکڑوں سال سے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، مگر جو لوگ اس علم سے وابستہ ہیں، انہوں نے اس کو آگے بڑھانے پر کیا توجہ دی اور یہ دوسرے طریقہ ہائے علاج کے مقابلہ کیوں پیچھے ہو گیا؟ یہی حال عرب ملکوں کا ہے، اللہ نے ان کو بغیر محنت کے دولت دی، جو زمین کے اندر سے ابلتی ہے، لیکن انہوں نے صرف اپنے پیسے خرچ کئے، وہ سوئی سے لے کر جہاز، اور بندوق سے لے کر میزائل تک ہر چیز کے لئے مغربی ملکوں پر منحصر ہیں، یہ کس قدر شرمناک بات ہے، مسلمانوں کو منصوبہ بند طور پر اس طرف توجہ دینی چاہئے اور ہر مسلمان کو اپنا اپنا حصہ ادا کرنا چاہئے۔

ترکوں کی موجودہ حکومت کی مقبولیت

اور عوامی تائید کا اہم سبب یہ ہوا کہ موجودہ حکومت نے ملک کو تعلیم اور ٹکنالوجی کے اعتبار سے بھی آگے بڑھایا، پہلے یہاں

یونیورسٹیوں کی تعداد 98 تھی جو بڑھ کر 190 ہوگئی، اُن اداروں میں طلبہ کی تعداد 65ہزار تھی، جو بڑھ کر 8لاکھ تک پہنچ گئی، تمام یونیورسٹیز اور کالجز میں ترکوں کے لئے مفت تعلیم فراہم کی جارہی ہے، جدید ٹکنالوجی کے لئے35ہزار لیبارٹری قائم کی گئیں، اس ترقی کے نتیجہ میں تعلیمی بجٹ ساڑھے سات ارب سے بڑھ کر34 ارب پہنچ گیا، ایک تخمینہ کے مطابق2023ء تک ترکی میں اسکالرز کی تعداد3لاکھ ہوجائے گی، ٹکنالوجی کو دیکھا جائے تو اس وقت یورپ میں فروخت ہونے والے الیکٹرانک سامان میں سے ہر تیسرا سامان ترکی کا ہے۔

4-تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ عوامی سہولتوں کی حامل مادی ترقی پر بھی پوری توجہ دی گئی، چنانچہ2002ء سے2011ء کے درمیان 13500 کلومیٹر سڑکیں اور 1076 کلومیٹر ریلوے لائنیں بچھائی گئیں، ہوائی اڈوں کی تعداد26 سے50 ہوگئی، اور ترکش ایئر لائن دنیا کی ساتویں بڑی لائن بن گئی، نیز معاشی ترقی کا یہ ہے کہ جو ترکی ورلڈ بینک کا مقروض تھا، اب اس نے پانچ ارب ڈالر ورلڈ بینک کو قرض دیا ہے، تنخواہوں میں 300 فیصد اضافہ ہوا ہے، فی کس آمدنی ساڑھے تین ہزار سے بڑھ کر گیارہ ہزار ڈالر ہوچکی ہے، اقتصادی لحاظ سے اب یہ ملک ایک سو گیارہویں نمبر سے 16ویں نمبر پر آچکا ہے، نیز G20 گروپ میں شامل ہوگیا ہے۔

مسلم ملکوں کے لئے ترکی کی یہ حالیہ ترقی قابل تقلید نمونہ ہے، قدرتی وسائل نہ ہونے کے باوجود ترکی نے کس طرح صنعتی ترقی کا سفر طے کیا، مسلم ملکوں کے ساتھ ساتھ مسلم سماج کو بھی اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اونچا یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر: 1429)، لیکن اس وقت ہمارے ملک ہندوستان میں اعداد و شمار کے مطابق گداگروں میں چالیس فیصد مسلمان ہیں، یہ کس قدر شرم کی بات ہے؟ مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا کرنا چاہئے کہ وہ تجارت اور صنعت پر توجہ دیں، جو نوجوان تعلیم یافتہ نہیں ہیں، وہ فنی تعلیم حاصل کریں، اچھے ہنر مند بنیں اور اجتماعی محنت سے ایک ایسی قوم بنیں جس کے پاس دینے والا ہاتھ ہو نہ کہ صرف لینے والا۔

5-ترکی کی ترقی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ دفاعی اعتبار سے خود کفیل ہونے کی طرف تیز گامی کے ساتھ قدم بڑھا رہا ہے، اس نے ناٹو کا ممبر ہونے کے باوجود صرف ناٹو کی مدد کی امید پر اپنے آپ کو بے دست و پا بنا کر نہیں رکھا، ترکی کے علاوہ بھی بعض مسلم ممالک اس سمت میں پیش قدمی کر رہے ہیں، مگر افسوس کہ بیشتر دولت مند مسلم ملکوں کی کوششیں اس سلسلہ میں صفر کے برابر ہیں، انہوں نے اپنے تحفظ کا فیصلہ امریکہ اور مغربی طاقتوں کو دے رکھا ہے، اور ان ہی پر بھروسہ کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے ان کی حیثیت ایسی نام نہاد آزاد قوم کی ہے، جو بظاہر آزاد اور حقیقت میں غلام ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنا ضمیر اور اپنا دل و دماغ بھی بیچ ڈالا ہے، اللہ تعالیٰ جلد وہ وقت لائے کہ انہیں اس غلامی سے آزادی نصیب ہو۔

مسلمان اقلیتوں کے لئے یہ بات سوچنے کی ہے کہ دفاع صرف آتشیں ہتھیاروں سے نہیں ہوتا، اور جنگ صرف بارودوں سے نہیں لڑی جاتی، بلکہ اس سے بڑا ہتھیار علم کا ہتھیار ہے، مسلمان اگر تعلیم میں آگے بڑھیں تو وہ اس ہتھیار سے اپنے بدخواہوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں، آج تعلیمی پسماندگی کی وجہ سے اعلیٰ سرکاری عہدوں پر مسلمانوں کا تناسب نہایت کم ہے، قانون اور صحافت کا میدان مسلمانوں سے خالی ہے، اس سمت میں ہمیں محنت کرنی چاہئے، کہ ایک جمہوری نظام میں یہی سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

دنیا میں جو حوصلہ افزاء یا حوصلہ شکن واقعات پیش آتے ہیں، بحیثیت مسلمان ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس میں عبرت و موعظت کے پہلو تلاش کریں، اور ان کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں، لیکن یہ ان قوموں کے لئے ہے، جن میں علم کا جذبہ اور آگے بڑھنے کا حوصلہ ہو، جو قوم اس جذبے سے محروم ہوتی ہے، اس کے لئے اس طرح کے واقعات ایک بے جان موت کی طرح ہوتے ہیں کہ انسان نہ ان کی آواز سن سکتا ہے اور نہ ان سے روشنی کی کرن مانگ سکتا ہے۔

□□□

محمد خورشید اختر صدیقی (بیدر)

خلیفۂ اول

حضرت ابو بکر صدیقؓ

حضرت ابو بکرؓ کا اصلی نام عبداللہ تھا۔ ابو بکر کنیت ہے اور آپ کو دو لقب ملے "صدیق" اور "عتیق"۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ آپ کی امی جان کا نام سلمٰی اور کنیت اُم الخیر تھی۔ آپ کے دادا کا نام عامر اور نانا کا نام صخر تھا۔ آپ قبیلہ قریش کے خاندان بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا گھرانہ مکہ کے شریف خاندانوں میں شمار کیا جاتا تھا اور آپ کو مکہ والے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، چھٹی پشت میں پیارے نبیؐ سے آپ کا خاندانی سلسلہ مل جاتا ہے۔ اس طرح پیارے نبیؐ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی امی جان تو شروع ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں البتہ والد مکہ فتح ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔ ان کا انتقال ستانوے سال کی عمر میں ہوا تھا۔ آخری زمانہ میں ان کی آنکھوں کی روشنی کم ہوتی جا رہی تھی۔

حضرت ابو بکرؓ جون 573ء میں مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ پیارے نبیؐ سے تقریباً ڈھائی سال چھوٹے تھے۔ بچپن ہی میں حضورؐ سے آپ کی دوستی ہو گئی تھی، پیارے نبیؐ کی عادتیں اور باتیں حضرت ابو بکرؓ کو بہت اچھی لگتی تھیں جو بات پیارے نبی میں دیکھتے اُسے اپنا لیا کرتے تھے، پیارے نبی صاف ستھرے رہتے تھے، آپؐ کے سچے دوست حضرت ابو بکرؓ بھی پاک صاف رہتے، پیارے نبیؐ بری باتوں سے دور بھاگتے تھے، آپ کے ساتھی ابو بکرؓ بری اور گندی باتوں سے بچتے تھے، آپؐ کے بچپن کے ساتھی حضرت ابو بکرؓ کو بھی بے حیائی کی باتوں سے نفرت تھی، پیارے نبیؐ ہمیشہ سچ بولتے تھے آپؐ کے گہرے دوست حضرت ابو بکرؓ بھی جھوٹ سے بہت دور رہتے، پیارے نبیؐ دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے اور کسی کو بھی ستاتے نہ تھے، آپؐ کے رفیق حضرت ابو بکرؓ بھی ظلم و زیادتی سے بچتے اور دوسروں سے ہمدردی کرنے کی کوشش کرتے تھے، پیارے نبیؐ اور حضرت ابو بکرؓ ساتھ ہی ساتھ رہتے اور ساتھ ہی .... کرتے تھے۔

آپ بچپن ہی سے بہت نیک نرم دل اور بڑوں کی عزت کرنے والے تھے، اسی لئے مکہ والے بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اُس زمانے میں سارے عرب میں عام طور پر لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے، شراب پیتے تھے، جوا کھیلتے تھے اور دوسروں کا مال ہڑپ کر لیا کرتے تھے لیکن حضرت ابو بکرؓ ہمیشہ ان برائیوں سے بچے رہے، خود آپ کے گھر کی ایک کوٹھری میں بت رکھے ہوئے تھے، سب گھر والے اُس کی پوجا کیا کرتے تھے مگر آپ نے کبھی کسی بُت کی پوجا نہیں کی اور نہ ہی سجدہ کیا۔ ایک بار آپ نے ایک بہت دلچسپ واقعہ سنایا، فرمانے لگے کہ ایک دفعہ میرے والد مجھے بتوں والی کوٹھری میں لے گئے اور ایک بت کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے "یہ تمہارا خدا ہے اسے سجدہ کرو، جب وہ یہ کہہ کر چلے گئے تو میں اُس بت کے پاس گیا اور اس سے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے، اس نے کوئی جواب نہ دیا، پھر میں

نے کہا مجھے کپڑے کی ضرورت ہے مجھے کپڑا دے، پھر بھی وہ کچھ نہ بولا، آخر میں نے ایک پتھر اُٹھا کر کہا، دیکھ میں تجھے ماروں گا تو اپنے آپ کو بچا۔ اس بار بھی وہ کچھ نہ بولا، میں نے وہ پتھر اس کے سر پر مارا وہ منہ کے بل گر پڑا اور میں کوٹھری سے باہر نکل آیا۔

سچ ہے بت بے جان ہوتے ہیں وہ کچھ کر نہیں سکتے اس لئے انہیں پوجنا بڑی نادانی اور ناسمجھی کی بات ہے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جب اپنا نبی بنایا تو آپ چھپ چھپ کر اپنے خاص دوستوں اور قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دینے لگے جب یہ حقیقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو آپ نے بغیر کچھ پوچھ گچھ کئے بے جھجک اسلام قبول کرلیا، آپ آزاد مردوں میں سب سے پہلے مومن تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا پیارے نبیؐ کے ساتھ رہتے رہتے آپ کا دل بالکل آئینہ کی طرح پاک وصاف ہوگیا تھا، جب بات پیارے نبیؐ کی زبان مبارک سے نکلتی اس کے بارے میں آپ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ غلط ہوسکتی ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا تھا، اسی لئے جیسے ہی آپ نے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو اپنا آخری نبی بنایا ہے، آپ نے فوراً ہی اس بات کو مان لیا اور سب سے پہلے مسلمان ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اُس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر 37 سال کی تھی۔ مسلمان ہوتے ہی حضرت ابوبکرؓ کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوگئی کہ مکہ کے اور لوگ بھی کسی طرح مسلمان ہوکر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بن جائیں اور اس کے عذاب سے بچ جائیں، پہلے تو آپ چپکے چپکے مکہ والوں میں دین پھیلاتے رہے آپ کی باتوں سے متاثر ہوکر بہت سے لوگ مسلمان بھی ہوگئے اس سے آپ کی ہمت بڑھی اور اصرار کرکے آپ نے پیارے نبیؐ سے اجازت لی اور عام مجمع کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، بھلا اسے مکہ کے کافر اور مشرک لوگ کب برداشت کرسکتے تھے، آپ پر ٹوٹ پڑے، آپ کو اتنا مارا اتنا مارا کہ آپ لہولہان ہوگئے اور بے ہوش ہوکر گر پڑے، وہ سمجھے کہ آپ مرگئے ہیں اس لئے آپ کو چھوڑ کر چلے گئے ان کے قبیلے والوں کو ترس آگیا اُٹھا کر گھر پہنچادیا۔ جب ان کو ہوش آیا تو پہلا جملہ جو زبان سے نکلا وہ تھا ''پیارے رسولؐ کیسے ہیں؟ مجھے ان کے پاس لے چلو۔''

دیکھا آپ نے پیارے نبیؐ سے حضرت ابوبکرؓ کو کتنی محبت تھی، اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کی، حضور کی خیریت پہلے دریافت کی، اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو۔ اسی درمیان اللہ تعالیٰ نے راتوں رات پیارے نبیؐ کو آسمانوں کی سیر کرائی، جنت و دوزخ کا منظر دکھایا اور آپ سے بہت سی باتیں کیں اسی کو معراج کہتے ہیں، صبح کو حضورؐ نے معراج کا حال لوگوں کو بتایا، اب کیا تھا مکہ کے سردار آپ کا مذاق اڑانے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ جھٹ بول اُٹھے ''میں تصدیق کرتا ہوں کہ اگر نبی ایسا کہتے ہیں تو بالکل سچ ہے کیونکہ وہ آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولے، اسی وجہ سے تو ہم سب انہیں صادق کہتے ہیں۔''

صدیق کا لقب

حضرت ابوبکرؓ سیدھے حضورؐ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ لوگ آپ کے چاروں طرف جمع ہیں اور آپ کا مذاق اُڑا رہے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے آتے ہی کہا ٹھہرو۔ پھر بولے میں نے بیت المقدس دیکھا حضورؐ آپ بتایئے کہ اُس کے کتنے دروازے ہیں اور کون سا دروازہ کس طرف ہے، پیارے نبیؐ نے سب ٹھیک ٹھیک بتادیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے بلند آواز سے اعلان کیا ''لوگو! حضورؐ جو کچھ فرمارہے ہیں بالکل ٹھیک ہے اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔''

آپ کا یہ اعلان سن کر کافروں کو پھر منہ کی کھانی پڑی اور اپنا منہ لئے شرم کے مارے چلے گئے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم اس اعلان سے بہت خوش ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کا لقب عطا فرمایا، اُس دن سے مسلمان اُن کو ابوبکر صدیقؓ کہنے لگے۔

حضرت ابوبکرؓ پیارے نبیؐ سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضورؐ کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ پیارے نبیؐ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں کافر سرداروں کا ایک گروہ وہاں آپہنچا، انہوں نے حضورؐ کو نماز پڑھتے دیکھا تو جل گئے، ان میں کا ایک سردار عقبہ آگے بڑھا اس نے اپنی چادر حضور کی گردن میں ڈال کر بل دینا شروع کردیا اور پھر کھینچنے لگا۔ پیارے نبی کا دم گھٹنے لگا یہ دیکھ کر سب کے سب بہت خوش ہوئے اور ہنسی اڑانے لگے۔

اتفاق کی بات اس کی خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوگئی اُس وقت آپ کوئی ضروری کام کررہے تھے سنتے ہی آپ نے کام چھوڑ دیا اور دوڑ پڑے، کعبے میں پہنچ کر اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا آپ بے تاب ہوگئے عقبہ کو دھکا دے کر ہٹادیا، اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے حضورؐ کی گردن مبارک سے چادر کھول کر ایک طرف پھینک دی۔ مکہ کے سرداروں کو جو وہاں جمع تھے بہت برا بھلا کہا اور حضورؐ کو ساتھ لے کر چلے آئے سب منھ دیکھتے رہ گئے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی مسلمانوں میں جو زیادہ سمجھ دار لوگ تھے ان کو فکر پیدا ہوگئی کہ جلد ہی کسی کو حضورؐ کا خلیفہ (نائب) مقرر کردینا چاہئے بہت سوچ بچار کے بعد سب نے ایک زبان کہہ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیارے نبیؐ کا پہلا خلیفہ مان لیا اور بہت کہنے سننے سے آپ نے یہ منصب قبول کرلیا۔

دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسجد میں ایک تقریر کی اور دیکھئے تو آپ نے کتنی اچھی اچھی باتیں کہی تھیں۔ لوگو! میں تمہارا خلیفہ بنادیا گیا ہوں میں کسی بھی طرح اس کے قابل نہیں ہوں لیکن جب تم لوگوں نے مجھے خلیفہ مان لیا ہے تو میں اُسی طرح حکومت کا کام کرنے کی کوشش کروں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور پیارے نبیؐ نے کر کے دکھایا ہے، اگر میں صحیح راستہ پر چلوں تو میرا کہنا ماننا اور اگر ایسا نہ کروں تو میرا حکم نہ ماننا بلکہ مجھے سیدھا کردینا، یاد رکھو جو قوم اللہ کی راہ میں جنگ کرنا چھوڑ دیتی ہے اُسے اللہ تعالیٰ ذلیل اور بے عزت کردیتا ہے جن لوگوں میں برے کام پھیل جاتے ہیں ان کو اللہ مصیبت میں گرفتار کردیتا ہے۔ خدا ہم سب پر رحم کرے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں بہت سادگی تھی اور آپ میں ذرا بھی غرور نہیں تھا، چھوٹے ہوں یا بڑے سب سے بہت اچھی بات کیا کرتے تھے اور آپ چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں بھی ہچکچاتے نہ تھے اور آپ بہت ہی نرم مزاج کے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے اور دن میں زیادہ تر روزے رکھتے تھے اور کوئی نیک کام ایسا نہیں ہوتا تھا جسے کرنے کی آپ کوشش نہ کرتے ہوں، اس کے باوجود اللہ کے خوف اور آخرت کے ڈر سے ہمیشہ کانپتے رہتے تھے اور زاروقطار روتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کا گذر ایک باغ کے پاس سے ہوا تو درختوں پر چڑیاں چہچہارہی تھیں۔ آپ انہیں حسرت سے دیکھنے لگے اور بولے "اے چڑیو تم بڑی خوش قسمت ہو اطمینان سے چرتی چگتی ہو جس درخت کے سایہ میں چاہتی ہو بیٹھتی ہو تمہارے لئے قیامت کے دن کوئی حساب کتاب نہیں اور کوئی پوچھ تاچھ نہیں کاش میں بھی تمہاری طرح ہوتا۔" دیکھا آپ نے قیامت کے دن کے حساب کتاب سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کتنا ڈرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر نیک کام میں پہل کرنے کی کوشش کیا

کرتے تھے یہی ایک سچے اور پکے مسلمان کی پہچان ہے۔

☆ مردوں میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا۔

☆ سب سے پہلے آپ نے قرآن شریف کا نام مصحف رکھا۔

☆ آنحضرتؐ کے بعد سب سے پہلے آپ نے قرآن شریف جمع کیا۔

☆ سب سے پہلے آپ نے کفار سے جہاد کیا

☆ سب سے پہلے آپ نے بیت المال قائم کیا۔

☆ صحابہ کرامؓ میں سب سے پہلے آپ نے اجتہاد کیا۔

☆ سب سے پہلے آپ خلیفۂ راشد ہیں۔

☆ سب سے پہلے وہ خلیفہ ہیں جن کو اپنے والد کی زندگی میں خلافت ملی۔

☆ اُمت محمدیہ میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

☆ اسلام میں سب سے پہلے آپ کو عتیق کا لقب ملا۔

23 جمادی الآخر 13ھ کا واقعہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لیٹے لیٹے دریافت کیا ”آج کونسا دن ہے؟ جواب دیا گیا دوشنبہ (پیر) کا دن ہے۔ آپ نے پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے کس روز تشریف لے گئے تھے؟ ”کہا گیا دوشنبہ کے روز“ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا میری یہ خواہش ہے کہ میں بھی آج ہی رات تک اس دُنیا سے رُخصت ہو جاؤں پھر آپ نے سوال کیا۔ حضورؐ کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ تین کپڑوں میں۔ آپ نے فرمایا دو کپڑے میرے جسم پر ہیں ان کو دھولینا اور ایک بازار سے منگالینا۔ حضرت عائشہ یہ سن کر رونے لگیں اور بولیں۔ ہم تینوں نئے کپڑے منگالیں گے تو آپ نے فرمایا ”بیٹی نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار مردے نہیں بلکہ زندہ لوگ ہوتے ہیں۔“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دُعا قبول ہوگئی اور اسی دن مغرب اور عشاء کے درمیان آپ کا انتقال ہوگیا۔ ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ راتوں رات آپ کو کفنا دفنا دیا گیا، آپ کی بیوی حضرت اسماءؓ بنت عمیس نے آپ کو غسل دیا اور حضرت عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ پیارے نبیؐ کے طرف تدفین کی گئی۔ دیکھا آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیارے نبیؐ سے کتنی محبت تھی، انتقال کے بعد بھی آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی جگہ ملی۔ ○○

مطبوعات

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

نام کتاب	قیمت
تاریخ دعوت وعزیمت ۹ (جلدیں)	2800/-
Saviours of Islamic Spirit	630/-
Tafisr-ul-Qur`an (1-4)	1050/-
نبی رحمت (اردو)	400/-
نبی رحمت (ہندی)	250/-
نبی رحمت (انگریزی)	250/-
رہبر انسانیت (اردو)	260/-
رہبر انسانیت (ہندی)	250/-
رہبر انسانیت (انگریزی)	250/-
کل میزان	6140/-
خصوصی رعایت کے بعد صرف	3000/-

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے حاصل کر سکتے ہیں۔

Academy of Islamic Research & Publications
Nadwatul Ulama, Lucknow
Phone : 0522-2741539, Mobile : 9889378176
A/c No. 10863759700, State Bank of India
Main Branch Lucknow. IFS Code. SBIN0000125

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

نماز سے متعلق ہماری بعض کوتاہیاں اور ان کا علاج

اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا اور اہم فریضہ نماز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مسلمان پر عائد کیا گیا ہے، خواہ مرد ہو یا عورت، غریب ہو یا مالدار، صحت مند ہو یا بیمار، طاقت ور ہو یا کمزور، بوڑھا ہو یا نوجوان، مسافر ہو یا مقیم، بادشاہ ہو یا غلام، حالت امن ہو یا حالت خوف، خوشی ہو یا غم، گرمی ہو یا سردی، حتی کہ جہاد وقتال کے عین موقع پر میدان جنگ میں بھی یہ فرض معاف نہیں ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس اہم اور بنیادی فریضہ کو کثرت سے بیان کیا گیا ہے، مگر بڑے افسوس اور فکر کی بات ہے کہ نماز سے متعلق متعدد کوتاہیاں ہمارے اندر موجود ہیں، جنہیں دور کرنے کی ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔

(1) نماز کی ادائیگی میں کوتاہی: بعض حضرات جو نماز نہیں پڑھتے، سمجھانے پر کہتے ہیں کہ جمعہ سے یا رمضان سے یا سال کی ابتداء سے نماز کا اہتمام کریں گے۔ حالانکہ کسی کو نہیں معلوم کہ کس وقت اس دار فانی (دنیا) کو الوداع کہنا پڑے۔ اگر ایسے وقت میں ملک الموت (موت کا فرشتہ) ہماری روح نکالنے آیا کہ ہمارا مولا ہم سے نمازوں کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے ناراض ہے تو پھر ہمارے لئے انتہائی خسارہ اور نقصان ہے اور موت کب آجائے، سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کوئی (بھی) نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا، نہ کسی کو یہ معلوم کہ کس زمین میں مرے گا۔ (سورہ لقمان، آیت نمبر:34) اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی میعاد معین آجائے گی، اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ (سورہ الاعراف:34)

لہٰذا ان حضرات کو چاہئے کہ کسی دن یا کسی وقت پر اپنے ارادہ کو ہرگز معلق نہ کریں بلکہ سچے دل سے توبہ کرکے آج سے بلکہ ابھی سے نمازوں کا خاص اہتمام کریں کیونکہ نماز دین اسلام کا عظیم رکن ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلے اسی نماز کا حساب لیا جائے گا۔ یاد رکھیں کہ جو شخص نماز میں کوتاہی کرتا ہے وہ یقیناً دین کے دوسرے کاموں میں بھی سستی کرنے والا ہوگا۔ اور جس نے وقت پر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز کا اہتمام کرلیا، وہ یقیناً پورے دین کی حفاظت کرنے والا ہوگا جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو حکم جاری فرمایا تھا کہ میرے نزدیک تمہارے امور میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے، جس نے نماز کی پابندی کرکے اس کی حفاظت کی، اس نے پورے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ نماز کے علاوہ دین کے دیگر ارکان کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔

(2) نماز پر دنیاوی ضرورتوں کو ترجیح دینا: بعض حضرات سے جب نماز کے اہتمام کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ والدین کی خدمت، بچوں کی تربیت اور ان کی دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرنا بھی تو ضروری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امور بھی ضروری ہیں مگر ان اعمال کے لئے نماز کو ترک کرنا یا نماز کی اہمیت کو کم سمجھنا کونسی عقلمندی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نہ صرف فرض نماز کی پابندی فرماتے بلکہ سنن ونوافل کا بھی خاص اہتمام فرماتے اور اپنے گھر والوں کے حقوق کماحقہ ادا کرتے۔ اور انہیں حضرات کی

زندگیاں ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے تھے اور ہم حضور سے باتیں کرتے تھے لیکن جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہوجاتے گویا ہم کو پہچانتے ہی نہیں اور ہمہ تن اللہ کی طرف مشغول ہوجاتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ کو کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اس کے بعد کون سا عمل اللہ کو زیادہ پسند ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والدین کی فرمانبرداری۔ (بخاری و مسلم)

یاد رکھیں کہ نماز میں کوتاہی کرکے گھر والوں کی دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنا دین نہیں بلکہ دین اسلام کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔ (سورہ المنافقون، آیت:9) لہٰذا دنیاوی ضرورتوں کو نماز پر فوقیت نہ دیں بلکہ نمازوں کو ان کے اوقات پر ادا کریں۔

(3) بیماری کے وقت نمازوں کی ادائیگی میں کوتاہی: بعض حضرات بیماری میں نماز کو بالکلیہ ترک کردیتے ہیں حتی کہ نماز پڑھنے والا طبقہ بھی نماز کا اہتمام نہیں کرتا حالانکہ صحت و تندرستی کی طرح بیماری کی حالت میں بھی نماز کو ان کے اوقات میں پڑھنا ضروری ہے، البتہ شریعت اسلامیہ نے اتنی اجازت دی ہے کہ شدید بیماری کی وجہ سے مسجد جانا مشکل ہے تو گھر میں ہی نماز ادا کرلیں، کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ بیٹھ کر بھی نماز پڑھنا مشکل ہے تو لیٹ کر حتی کہ اشارے سے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں تو اس کو ضرور ادا کریں۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بواسیر کا مریض تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکو تو کھڑے ہوکر پڑھو، بیٹھ کر پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو، لیٹ کر پڑھ سکو تو لیٹ کر پڑھو۔ (صحیح بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سخت بیماری کی حالت میں بھی جماعت سے نماز ادا کرنے کا اہتمام فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم تو اپنا حال یہ دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہوتا وہ تو جماعت سے رہ جاتا یا کوئی سخت بیمار، ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے سے گھسٹتا ہوا مسجد جاسکتا تھا وہ بھی صف میں کھڑا کردیا جاتا تھا۔ لہٰذا صحت ہو یا بیماری، خوشی ہو یا غم، تکلیف ہو یا راحت، سردی ہو یا گرمی سب برداشت کرکے نمازوں کا اہتمام کریں۔

(4) سفر میں نماز کی ادائیگی میں کوتاہی: سفر میں بھی نماز کا اہتمام کرنا ضروری ہے، مگر شرم یا لاپرواہی کی وجہ سے نماز پڑھنے والے بھی سفر میں نماز کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سفر میں حتی کہ دشمنوں سے جنگ کے عین موقع پر بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ لہٰذا سفر میں بھی نماز کی پابندی کریں، پانی مہیا نہیں تو تیمم کرکے نماز ادا کریں، قبلہ کا رخ معلوم نہیں اور کوئی شخص بتانے والا بھی نہیں تو غور وفکر کے بعد قبلہ کا تعین کرکے اسی طرف نماز پڑھیں، کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو بیٹھ کر ہی ادا کریں۔

وضاحت: اگر آپ کا سفر 48 میل سے زیادہ کا ہے تو شہر کی حدود سے باہر جاتے ہی آپ شرعی مسافر ہوجائیں گے اور ظہر، عصر اور عشاء کے وقت بجائے چار رکعت کے دو دو رکعت فرض پڑھیں۔ البتہ اگر کسی مقیم امام کے پیچھے نماز باجماعت ادا کریں تو پوری نماز ہی پڑھیں۔ ہاں اگر امام بھی مسافر ہو تو چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعت ادا کریں۔ سنتوں اور نفل کا حکم یہ ہے کہ اگر اطمینان کا وقت ہے تو پوری پوری پڑھیں اور اگر جلدی ہو، یا تھکن ہے یا کوئی اور دشواری ہے تو بالکل نہ پڑھیں کوئی گناہ نہیں، البتہ وتر اور فجر کی سنتیں نہ چھوڑیں۔

(5) معمولی عذر کی وجہ سے جماعت کی نماز کو چھوڑنا: بعض حضرات یہ سمجھ کر کہ فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا صرف سنت مؤکدہ ہے، معمولی عذر کی وجہ سے فرض نماز مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتے بلکہ دوکان یا گھر میں اکیلے ہی پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ علماء کرام نے فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو جو سنت مؤکدہ اشد التاکید کہا ہے اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ معمولی معمولی عذر کی وجہ سے فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے میں کوتاہی کی جائے کیونکہ فرض نماز کی مشروعیت تو جماعت ہی کے ساتھ ادا کرنا ہے، صرف شرعی عذر کی وجہ سے جماعت کی نماز کا ترک کرنا جائز ہے۔

(6) کھیل کود کی وجہ سے نماز میں کوتاہی: کھیلنا صحت کے لئے مفید ہے جس کی شریعت نے بھی اجازت دی ہے مگر کھیلنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اذان کے وقت یا اس سے کچھ قبل کھیل بند کر دیں تاکہ وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر نماز جماعت کے ساتھ ادا کر سکیں۔ شریعت اسلامیہ نے ایسے کھیل کی بالکل اجازت نہیں دی ہے جو نماز کے ضائع ہونے حتی کہ جماعت کی نماز کے فوت ہونے کا بھی سبب بنے۔

(7) خواتین کا وقت پر اور اطمینان سے نماز ادا نہ کرنا: بعض خواتین، گھر کے مشاغل کی وجہ سے نماز کو مستحب وقت پر ادا کرنے میں کوتاہی کرتی ہیں۔ حالانکہ اگر تھوڑی سی بھی فکر کر لیں تو نماز کو مستحب وقت پر ادا کرنا آسان ہوگا۔ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عمل نماز کو وقت پر ادا کرنا ہے۔ نیز نماز کو شرعی عذر کے بغیر وقت پر ادا نہ کرنا نماز کو ضائع کرنا ہے۔ لہٰذا معمولی عذر کی وجہ سے نماز کو ادا کرنے میں تاخیر نہ کریں بلکہ اذان کے بعد فوراً ہی گھر میں نماز پڑھ لیں۔ دوسری کوتاہی، جو خواتین میں عموماً پائی جاتی ہے وہ نمازوں کو اطمینان، سکون اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا نہ کرنا ہے، حالانکہ اصل نماز خشوع وخضوع والی نماز ہے۔ لہٰذا نماز کو وقت پر اطمینان وسکون اور خشوع خضوع کے ساتھ ادا کریں۔

(8) ملازمین کو نماز کی ادائیگی کا وقت مہیا نہ کرنا: جن حضرات کے ماتحت، لوگ کام کرتے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ذات سے نماز کا اہتمام کر کے اپنے ملازمین کی بھی نماز کی فکر کریں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ سرمایہ کار، نماز کا اہتمام کرنے والے ملازمین کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور انہیں نماز پڑھنے کی سہولت دیں اور نماز میں کوتاہی کرنے والوں کو سمجھاتے رہیں تاکہ وہ بھی نمازوں کی پابندی کر کے دونوں جہاں کی کامیابی حاصل کرنے والے بن جائیں۔

(9) اولاد کی نمازوں کی نگرانی نہ کرنا: ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ذات سے نمازوں کا اہتمام کر کے اپنی اولاد کی بھی نمازوں کی نگرانی کرے۔ ضرورتوں کو پورا کرنے کی دن رات فکر کی جاتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ان کی آخرت کی فکر کرنی چاہئے کہ وہ کس طرح جہنم کی آگ سے بچ کر ہمیشہ ہمیشہ کی جنت میں داخل ہونے والے بن جائیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں۔ (سورہ التحریم۔ آیت:6) اسی طرح فرمان الٰہی ہے: (اے محمدؐ) اپنے گھر کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ۔ (سورہ طٰہٰ:132) اس خطاب میں ساری امت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے، یعنی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید کرتا رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد میں سے بھی (مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنادے) (سورہ ابراہیم:40) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لئے بھی نماز کی پابندی کرنے کی دعا مانگی، جس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو

اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی نماز کی فکر کرنی چاہئے۔ حکیم لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت: اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا۔ (لقمان:17) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا :تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب سے تمہارے ماتحت لوگوں کے سلسلہ میں باز پرس ہوگی۔ مرد اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار ہے۔ اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ (بخاری و مسلم) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم کرو۔ دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر انہیں مارو۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھا۔ شام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے دریافت کیا کہ لڑکے نے نماز پڑھ لی، تو لوگوں کہا ہاں۔ (ابوداؤد) غرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کی بھی نماز کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں کا اہتمام کرنے والا بنائے۔ آمین، ثم آمین۔

000

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۸ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کارخیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

منظور الحسن

علم کا سفر

1-علم ایک سفر ہے، منزل نہیں ہے۔ یہ حقیقتوں کو جاننے کا سفر ہے۔ اس میں آپ حقائق کو دریافت کرتے چلے جاتے ہیں۔ جب آپ حقائق دریافت کرتے ہیں تو بہت سی ایسی چیزیں جنہیں آپ حقیقت سمجھتے ہیں، ماضی کا افسانہ بنتی چلی جاتی ہیں۔ علم کو اگر ہم منزل سمجھ لیں گے تو ہم اسے کبھی حاصل نہیں کر پائیں گے۔

2-علم سچائی کے ساتھ محبت کا نام ہے۔ ایک طالب علم اگر مذہب کو، سائنس کو، تاریخ کو، ادب کو اس لئے پڑھتا ہے کہ وہ سچائی کو پالے تو اس کا سفر درست سمت میں ہے، لیکن اگر وہ ان کا مطالعہ جذبات کو تسکین پہنچانے کے لئے، خواہشات کو پورا کرنے کے لئے، تعصبات کو سہارا دینے کے لئے یا اپنی مانی ہوئی باتوں کے دلائل تلاش کرنے کے لئے کرتا ہے تو وہ علم کے سفر پر گامزن نہیں ہوسکتا۔ علم کی راہ کا مسافر سچائی کو ہر حال میں دریافت کرنا چاہتا ہے، خواہ وہ سچائی اس کی اپنی ذات ہی کی نفی کردے۔

3-ہم سب کو علم کا سچا طالب بننا چاہئے۔ سچا طالب علم ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر ہو کر حقائق کا مطالعہ کرتا ہے۔ وہ علم کی دنیا میں داخل ہی وہاں سے ہوتا ہے، جہاں تعصبات کا کوئی گزر نہ ہو۔ اس کے سامنے ہمیشہ یہ منزل رہتی ہے کہ وہ ممکن حد تک صحیح بات تک پہنچ سکے۔

4-لہٰذا اگر مجھے سچا طالب علم بننا ہے تو مجھے ہر حال میں صحیح بات تک پہنچنے کو اپنی منزل بنانا چاہئے۔ چاہے وہ بات میرے مسلمہ تصورات کو ختم کردے، چاہے وہ میرا ماضی مجھ سے چھین لے، چاہے وہ میرا حال بدل کر رکھ دے، چاہے وہ میرے مستقبل کی کوئی نئی تصویر بنا دے، مجھے بہر حال اسی کو جاننا ہے، اسی کی خواہش کرنی ہے، اسی کی جستجو کرنی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اپنے تعصبات اور اپنے ماحول سے اوپر اٹھنا آسان کام نہیں ہوتا۔ میں اب بھی اگر ایک نظر پیچھے ڈال کر دیکھوں تو بارہا ایسا ہوا ہے کہ میرا کوئی تعصب، میرا کوئی ماضی، میرا کوئی جذبہ، صحیح بات تک پہنچنے میں رکاوٹ بن گیا ہے۔ جو طالب علم ان رکاوٹوں کو دور کرنا شروع کردے گا تو اس کے علم کے سفر کا آغاز ہو جائے گا۔

5-ہماری پوری زندگی کو اصل میں اکیڈیمک (Academic) طریقے سے گزرنا چاہئے۔ اکیڈیمک (Academic) طریقہ میں اس کو کہتا ہوں کہ جب آپ کے سامنے کوئی مسئلہ آئے، کوئی سوال آئے، خواہ وہ ذاتی مسئلہ ہو، خاندانی مسئلہ ہو، قومی مسئلہ ہو یا کوئی علمی یا عملی سوال ہو تو آپ کو اس کا تجزیہ کرنا چاہئے۔ اُس کے اندر اُتر کر دیکھنا چاہئے کہ یہ بات کہاں سے پیدا ہوئی ہے، اس کی بنیادیں کہاں پائی جاتی ہیں۔ آپ اکثر و بیشتر دیکھیں گے کہ لوگ جس جگہ سے بات اُٹھ رہی ہوتی ہے، اُس سے کئی میل آگے کھڑے ہو کر اُس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

6-علم کا راستہ صرف تنقید ہے۔ اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ ایک فلسفی نے بڑی اعلیٰ بات کہی ہے کہ اگر آپ میز پر بیٹھ کر یہ چاہیں کہ آپ دنیا کا بہترین اسپتال بنالیں تو آپ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس کے لئے آپ کو ایک دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ آپ دنیا کے تمام اسپتالوں کا ناقدانہ جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اُن میں کیا خامیاں ہیں۔ پھر اپنے ہسپتال میں ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح آپ کا ہسپتال دوسرے ہسپتالوں کی نسبت بہتر ہو جائے گا۔

پھر دوسرے لوگ آپ کے ہسپتال کا تنقیدی جائزہ لیں گے اور وہ اُس سے بہتر ہسپتال بنانے کی کوشش کریں گے۔ علوم کا سفر بھی اصل میں اسی طرح آگے بڑھتا ہے۔

7- علم آپ سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ جب آپ اپنی جگہ سے بات کرتے ہیں تو دوسرے کو بھی اس کا حق دیں کہ وہ جہاں کھڑا ہے، وہاں سے بات کر سکے۔ اگر ایک شخص اُس سفر سے، اُس تجربے سے گزرا ہی نہیں جس سے آپ گزرے ہیں تو وہ کیسے آپ سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے؟ ہر فرد جس جگہ پہ کھڑا ہوتا ہے، اس سے مختلف رویہ نہیں اختیار کر سکتا۔ جب آپ اس بات کو جان لیتے ہیں تو پھر آپ کو دوسرے کی بات پر غصہ نہیں آتا۔

8- ہمارے ہاں جو سب سے بڑی کمی آ گئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم علم و عمل سے متعلق ہر رائج بات کو عقیدے اور ایمان کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ یہ صرف مذہب کا معاملہ نہیں ہے، ہم سائنس میں بھی یہی کرتے ہیں، فن میں بھی یہی کرتے ہیں، تاریخ میں بھی یہی کرتے ہیں۔ ہمارے استاد نے اگر چھٹی ساتویں میں کوئی چیز پڑھا دی ہے تو ہم قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم اس کو کبھی چیلنج نہیں کریں گے۔

9- چیلنج اصل میں سوال سے پیدا ہوتا ہے۔ سوال کو اگر آپ برا سمجھتے ہیں اور کانوں کو ہاتھ لگا کر بھاگ جاتے ہیں تو پھر آپ پر علم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ اپنے افکار کے بارے میں، اپنے عقائد کے بارے میں، اپنے تصورات کے بارے میں، اپنے نظریات کے بارے میں اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں، اپنے ماحول سے سوال کرتے ہیں تو اس سے آپ پر علم کا دروازہ کھلتا ہے۔ آپ علم و تحقیق کے سفر پر گامزن ہوتے ہیں۔ پھر وہ فکر، وہ نظریہ، وہ تصور، وہ عقیدہ یا قصۂ ماضی بن جاتا ہے یا ایک علمی حقیقت کے طور پر آپ کے دل و دماغ کا حصہ بن جاتا ہے۔

10- ہم جن مفکرین سے، جن علماء سے متاثر ہوتے ہیں، اُن کی باتیں الہامی باتوں کی طرح کبھی صفحۂ دل پر لکھ لی جاتی ہیں، کبھی صفحۂ دماغ پر نقش کر لی جاتی ہیں۔ ان نقوش کو ہم بار بار دیکھتے رہتے ہیں، مگر ایسا نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے اندر اتر جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس دریافت کو بعینہ لے لیتے ہیں، اسے اپنی دریافت نہیں بناتے، یعنی یہ نہیں جانتے کہ وہ دریافت ہوئی کیسے ہے؟ ہمارے معلّم بھی عام طور پر نتیجۂ فکر سے آگاہ کرتے ہیں، جب کہ بتانا یہ چاہئے کہ اس نتیجۂ فکر تک پہنچنے کے لئے انہوں نے کیا طریقے اختیار کئے اور کن مراحل سے گزرے ہیں۔ اصل چیز نتیجہ فکر نہیں، بلکہ اس تک پہنچنے کا منہاج ہے، طریقہ ہے، پراسس ہے، اپروچ ہے۔

11- ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم علم کو مجرد طور پر نہیں، بلکہ شخصیات کے تعلق سے سیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ کوئی شخصیت ہمیں متاثر کرتی ہے۔ ہم اس سے انسپائر (Inspire) ہوتے ہیں، پھر اس سے وابستگی اختیار کرتے ہیں۔ یہ وابستگی بسا اوقات جنون کی شکل اختیار کر لیتی، بسا اوقات آپ اسے عقیدت کا نام دیتے ہیں اور پھر اس کی ہر بات کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل ہمارے ہاں عام ہے۔ یہ علم کی راہ کی بڑی رکاوٹ ہے۔ علم کے سفر میں اس سے نجات ضروری ہے۔

12- اس سے نجات کا طریقہ یہ ہے کہ ہم جن شخصیات سے سیکھنے اور سمجھنے کا تعلق قائم کریں، انہیں عام انسان سمجھیں۔ یعنی ان کی صلاحیتوں سے مستفید ہوں، ان کی خوبیوں کا اعتراف کریں اور اس کے ساتھ ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر بھی نظر رکھیں۔ ان میں سے کوئی پیغمبر نہیں ہے، لہٰذا انہیں عقیدت کا مقام دینے کے بجائے احترام کی جگہ دیں۔ یعنی ان کی بات کو توجہ سے سنیں، اس پر غور کریں، اس کا دیگر اہل علم کی باتوں سے تقابل کریں، پھر اگر ان کی بات صحیح لگے تو اسے قبول کریں، وگرنہ بصد احترام قبول کرنے سے انکار کریں۔ ایک سچے طالب علم کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے عام طور پر کہا کرتا ہوں کہ عبادت اللہ کی کریں، عقیدت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھیں اور باقی سب کا احترام کریں۔ ○○

اشفاق پرواز

مغربی جہنم کی طرف رواں عورت

چند روز قبل اخبار پڑھتے ہوئے دو اشتہارات پر نظر پڑی۔ ایک کا متن یہ تھا: ''ہمیں ایک ریستوران کے لئے مستعد اور خوبرو ہوسٹس درکار ہے۔ چاک وچوبند ہونے کے ساتھ انگریزی زبان میں بھی مہارت رکھتی ہو۔'' دوسرا اشتہار کچھ اس طرح تھا: ''ہمیں اپنے شوروم کے لئے سیلز گرل کی ضرورت ہے۔ کم ازکم تعلیم انٹرمیڈیٹ تک۔ امیدوار اپنی درخواست کے ساتھ حالیہ پاسپورٹ سائز فوٹو بھی ارسال کریں۔''

دو ایسے کام جن کے لئے مرد زیادہ موزوں ہوسکتے ہیں، صرف خواتین سے درخواستیں طلب کرنا اور ''خوبروئی کا تقاضا'' ظاہر کرتا ہے کہ مقصد ان کی نسوانیت کو اپنی تجارت چمکانے کے لئے استعمال کرنا ہے۔ غالباً جن مالی مفادات کی بھینٹ چڑھانا مقصود ہے، وہ معمولی شکل و صورت کی خواتین سے حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ ضروری ہے کہ ان کے خدوخال گاہکوں کے لئے زیادہ دلکش ہوں، ان کی مسکراہٹیں ریستوران میں زیادہ سے زیادہ ہوس پرستوں کو جمع کرنے اور ان سے زیادہ سے زیادہ پیسے وصول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ عورت کا فطری تقدس پامال ہوتا ہے تو ان کی بلا سے۔ معاشرے میں ہوس پرستی کا جزام پھیلتا ہو تو پھیلا کرے۔ اس سے ان مغربی تہذیب کے کارندوں کو کوئی غرض نہیں۔ ان کے نزدیک عورت کا مصرف ہی یہی ہے کہ اس کے خدوخال سے عمومی لطف اندوزی کا سامان فراہم کیا جائے۔

یہ ہیں مغربی تہذیب کی وہ چنگاریاں، جو ہمیں چاروں طرف سے گھیر رہی ہیں۔ گھر کی چار دیواری کی ''قید'' سے نکال کر ''آزادی'' کے بعد اس کے نزدیک عورت کا مصرف کیا ہے، وہ ان چند الفاظ سے عیاں ہے۔ عورت کا مقام ومرتبہ بڑھانے اور اسے ''آزادی'' دلانے کا دعویٰ کرنے والی یہ تہذیب ہرگز نہیں پسند کرتی کہ کوئی عورت اپنے گھر میں شوہر یا والدین کی خدمت کا فریضہ انجام دے یا اپنے بچوں کی تربیت کرے۔ یہ اس ظالم تہذیب کی رُو سے ''ذلت، رجعت پسندی اور دقیانوسیت'' ہے۔ لیکن وہی عورت اگر جہازوں میں یا ریستورانوں میں روزانہ سیکڑوں اجنبیوں کے لئے ناشتے یا کھانے کی ٹرے سجا کر لائے یا دوکانوں پر کھڑی ہوکر مال بیچا کرے اور اپنی اداؤں سے گاہکوں کو دکان کی طرف متوجہ کرے تو یہ عین ''عزت اور روشن خیالی'' ہے۔

یہ ملت اسلامیہ کے تمام مؤثر حلقوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ حکومت ہو یا عوام، علماء ہوں یا دانشور، دینی جماعتیں ہوں یا فلاحی انجمنیں، ان سب کو اس موضوع پر سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے کہ خواتین کے کردار سے متعلق ہمارا معاشرہ کس رُخ پر جارہا ہے؟ اور اگر اس سمت میں اسی رفتار سے چلتے رہے تو رفتہ رفتہ کہاں جا پہنچیں گے؟ ساتھ ہی یہ سوال بھی ابھرتے ہیں کہ اس نام نہاد آزادی کے ذریعے قوم کی خواتین کو بالآخر کس منزل پر پہنچانا مقصود ہے؟ کیا عورت کے لئے بے وقعتی، اخلاقی پستی اور گراوٹ کی وہی منزل طے کرلی گئی ہے، جو مغربی عورتوں کی ایک بھاری تعداد کا مقدر بن چکی ہے؟ ایسی منزل کہ جس پر پہنچنے کے بعد نہ صرف عورت نسوانیت کا جوہر کھو بیٹھتی ہے، بلکہ فطرت سے بغاوت کے نتیجے میں خاندانی نظام کی بھی چولیں ہل کر رہ جاتی ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ سڑکیں صاف کرنے سے لے کر ہوٹلوں میں گاہکوں کے بستر بچھانے تک دنیا کا کوئی ایسا چھوٹے سے چھوٹا کام نہیں رہ گیا، جو عورت کے سپرد نہ ہو۔ بچے ماں کی آغوشِ تربیت کو ترس رہے ہیں اور گھر اپنی منتظمہ کے وجود کی رونق سے محروم اور ویران پڑے ہیں، لیکن سڑکیں، دکانیں اور بازار عورت کے حسن

وجمال سے سجے ہوئے ہیں۔

مغرب میں یہ سارا کھیل ''آزادی نسواں'' کے نام پر ہی کھیلا گیا ہے۔اس کے لئے عورت کے چہار دیواری میں ''مقید'' ہونے کا افسانہ گڑھا گیا اور افسانے کو گلی گلی عام کر کے وقت کا فیشن بنادیا گیا کہ اس کے خلاف لب کشائی فرسودگی اور دقیانوسیت کی علامت بن گئی۔اس طرح عورت کو گھر سے کھینچ کر سڑکوں، دکانوں، ریستورانوں میں خدمت گزاری اور افسران بالا کی ناز برداری کے فرائض سونپ دیئے گئے۔ یہی نعرہ آج ہمارے یہاں بھی لگ رہا ہے اور اسی آزادی نسواں کے پُرفریب نعرے کے ذریعے ''خوبرو عورتوں'' سے ریستورانوں میں بیرے کا کام کرنے کے لئے درخواستیں طلب کی جارہی ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ سلسلہ اسی رفتار سے جاری رہا تو مغربی معاشرے کی تمام تر لعنتوں کے ہم تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ قومی تعمیر وترقی کے دور میں ہم اپنی نصف آبادی کے عضو معطل بنا کر نہیں رکھ سکتے۔ یہ بات اس شان سے کہی جارہی ہے کہ گویا ملک کے تمام مردوں کو کسی نہ کسی کام پر لگا کر مردوں کی حد تک ''مکمل روزگار'' کی منزل حاصل کرلی گئی ہے۔ قوم کے خاندانی نظام کی بنیادیں سنبھالنے والی، اپنی آغوش میں مستقبل کو تربیت دینے والی، اور تقدس، پاک بازی اور عفت وعصمت کی اعلیٰ ترین قدروں کی آبیاری کرنے والی عورت کو ''عضو معطل'' قرار دینا مغرب کی اس الٹی منطق بلکہ جاہلانہ حرکت کا کرشمہ ہے۔ جس کی نظر میں کام کا آدمی بس وہی ہے جو زیادہ سے زیادہ پیسے کمائے، خواہ اس کے بعد وہ ملک بھر میں اخلاقی کوڑھ پھیلاتا پھرے۔ جو آدمی پیسے کما کر نہ لائے وہ ''عضو معطل'' ہے خواہ معاشرے کی اخلاقی اور روحانی تعمیر میں وہ کتنا ہی بلند کردار کیوں نہ ادا کررہا ہو۔

ہمارے معاشرے میں اسلام کا نام تو روزانہ بڑی شد ومد کے ساتھ لیا جاتا ہے، لیکن عملاً ہم جس رُخ پر جارہے ہیں، وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی نہیں، بلکہ نیویارک اور ماسکو کی سمت ہے۔ اسلام نے اپنی اصلاحی مہم کا آغاز گھر سے کیا ہے، کیونکہ گھر ہی وہ بنیادی پتھر ہے جس پر تمدن کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اس گھر کا بنیادی ستون عورت کو قرار دے کر اسے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ''اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور جاہلیت اولیٰ کی طرح بناؤ سنگھار کرکے باہر نہ پھرو۔'' (سورہ نور)

لہٰذا جب تک عورت کے صحیح مقام کو سمجھ کر اسے یکسوئی کے ساتھ ان فرائض کی انجام دہی کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا، جو فطرت نے اسے سونپے ہیں اور جن پر معاشرے کے بناؤ اور بگاڑ کا سارا دارومدار ہے، اس وقت تک اسلامی معاشرے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔ ایک طرف اپنا مقصد دعوت دین اور اسلامی معاشرے کا قیام قرار دیا جاتا ہے اور دوسری طرف اس معاشرے کے بنیادی ستون، عورت کو وہ مقام دیا جارہا ہے، جہاں اس پر صرف مادہ پرست مغربی معاشرہ تعمیر ہوسکتا ہے، روحانی اقدار پر مبنی معاشرہ ہرگز نہیں۔ ○○

محترم قارئین کرام

ماہ جون 2018 سے رضوان کے سالانہ زرتعاون میں 100/- روپے کا اضافہ کیا جارہا ہے۔ رضوان کا اب سالانہ زرتعاون مبلغ 300/- روپے ہوگا۔ کاغذ اور طباعت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً یہ اضافہ کرنا پڑا، امید ہے کہ قارئین رضوان اس کو بخوشی قبول فرمائیں گے۔

سالانہ زرتعاون 300/- روپے
فی شمارہ 30/- روپے

والسلام
منیجر رضوان

ایجنسی ہولڈر حضرات نئے شرح نوٹ فرمالیں۔

حیوانات کے حقوق اور اسلام

محمد صابر حسین ندوی

زمانۂ جاہلیت انسانیت کا تاریک ترین اور گمراہ کن دور تھا، جس کی عمارت کی ہر اینٹ اپنی جگہ سے متزلزل اور بے بنیاد تھی، ظلم وجور کی چادر ہر جان و بے جان پر تنی ہوئی تھی، رحمت ومودت اور اخوت و بھائی چارگی نے دم توڑ دیا تھا، قدم قدم پر جنونیت و دیوانگی کے مدفن نے؛ فطرت انسانی کو اپنے آپ میں دفن کرلیا تھا، خدا تعالی کی نت نئی مخلوقات پر مشتمل اس دنیا کی ہر ذی روح؛ گھٹن اور بے کسی کی شکار تھی، جانور وحیوانات رفق ونرمی سے سراپا محروم تھے؛ بلکہ بسا اوقات ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے آرام و آرائش کا خیال رکھنے کو قصۂ استعجابیہ سے دیکھتے اور اسے بے جا شوق پورا کرنے ،ایک دوسرے پر اپنے آپ کی فضیلت ثابت کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے، دیوان جاہلی میں ایسے بہت سے قصوں کا ثبوت ملتا ہے؛ جنہیں پڑھ کر انسانی طبیعت بے ساختہ مچل اٹھتی ہے، اور طبیعت انسانی کے مسخ ہونے پر شاہد ہوتی ہے، ان کی قساوت وسنگدلی کا عالم یہ تھا کہ فیاضی کی آڑ میں جانوروں کو عامیانہ طور پر مار گراتے تھے اور لوگوں سے کہتے: تم انہیں کھا جاؤ!، تو وہیں دو آدمی شرط لگا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور باری باری سے اپنا اونٹ ذبح کرتے جاتے تھے؛ جو رک جاتا وہ ہار جاتا تھا، اور مذبوحہ جانوروں کو احباب کی ضیافت کا ساماں کر دیتے تھے، حتی کہ ایک دستور کے مطابق جب کوئی مرجاتا تو اسکی سواری کے جانور کو اسکی قبر پر باندھتے اور اس کا غلہ، پانی اور گھاس بند کر دیتے تھے؛ یہاں تک کہ وہ بھوکے پیاسے سوکھ کر اسی حالت میں مر جاتا ،ایسے جانوروں کو "بلیہ" کہتے تھے، کبھی کبھی کسی خاص جانور کو باندھ کر تیراندازی کرتے اور اپنا نشانہ درست کرتے تھے یا انہیں آپس میں لڑوا کر ان کی خوں ریزی کا لطف اٹھاتے تھے، حد تو یہ تھی کہ ان پر سواری کرتے، نقل مکانی اور باربرداری کا کام لیتے، جنگ و جدل میں بے دریغ استعمال کرتے لیکن ان کے کھانے ، پینے کی چنداں پرواہ نہ کرتے تھے، مزید یہ کہ اگر اس جانور کا کوئی عضو اچھا لگتا تو اسے یوں ہی کاٹ لیتے اور کھا جاتے ،جنگلوں میں شب وروز نکل جانا اور بیجا ولغو شکار کرنا؛ بہادری کا معیار مانا جاتا تھا، انہیں ذبح کرنے اور کاٹنے کے معاملہ میں تو پتھر اور ناخن کا بھی استعمال کر لیتے تھے؛ جن سے جانور ذبح کم اور گھٹن سے زیادہ جاں سونپ دیتا تھا اور اگر کوئی جانور ان کے قابو وگرفت سے باہر ہو جاتا خواہ اس کی پیرسالی وضعف کی وجہ سے کیوں نہ ہو؛ اسے لعنت و ملامت کا نشانہ بناتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایسے ہی پرآشوب حالات، بے دردوں اور بے دلوں میں رونما ہوا، اور ایک نبی امی محمد مصطفیؐ اپنی ردائے رحمت ہر سو پھیلانے لگا، جس کی شفقت و یاروی کی بساط نہ صرف انسانوں پر ؛ بلکہ حیوانات پر بھی دراز ہوئی، جس کی پاداش میں سابقہ مظالم کی گرفت اور بے سروپا کے رسوم پر قدغن لگایا گیا، ان کے حقوق واحکام کی بات ہوئی اور شرف وعزت نے انہیں بھی لمس کیا، جہاں انسانوں کو بتلایا کہ تم اس دنیا کے امین وخلیفہ ہو۔ "**انا عرضنا الأمانة على السموات والأرض والجبال فأبين أن يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان**" (احزاب:۷۲) تو وہیں انہیں یہ تعلیم بھی دی کہ: حیوانات کے بارے میں بھی محتاط ہو جاؤ کیونکہ ان کے بارے میں بھی تم سے باز پرس ہوگی "اتقو

اللہ فی عبادہ وبلادہ فانکم مسؤلون حتی عن البقاع والبھائم" (من اقوال علی بن طالبؓ دیکھئے: نہج البلاغۃ: ۲/۸۰، بحار الانوار: ۹/۳۲، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۵۴)، یہاں تک کہ ان کے ساتھ عمدہ برتاؤ پر جنت کی عنایت بھی ہوئی (صحیح بخاری: ۲۳۲۳۔صحیح مسلم: ۲۲۴۴) اور برے سلوک پر جہنم کی سیر بھی کروائی گئی (صحیح بخاری: ۷۰۳۔ ھکذا: نسائی: ۱۴۶۵)، بلکہ انہیں کھلانا صدقہ کرنا بتلایا گیا: "مامن مسلم یغرس غرسا الا کان مااکل منہ صدقۃ" (بخاری: ۲۳۲۰۔مسلم: ۱۵۵۲)، ساتھ ہی حضور اکرمؐ نے ایسے لوگوں پر سخت لعنت فرمائی جو جانوروں کو نشانہ بنائیں یا تیراندازی کی مشق کریں "لعن رسول اللہ من اتخذ شیأ فیہ الروح غرضا وفی روایۃ ان تصبر البھائم" (بخاری: ۵۵۱۵، ۵۱۹۵۔ مسلم: ۱۹۵۸)، ایک روایت میں ہے کہ: ایک لڑکا اسی طرح مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ بنا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا تو وہ بھاگ نکلا، یہ دیکھ آپؐ نے فرمایا: جو لوگ ایسا کرتے ہیں آپؐ نے انہیں ملعون قرار دیا ہے (بخاری: کتاب الصید)، حتی کہ آپؐ نے فرمایا کنکری وغلیل کا بھی استعمال نہ کیا جائے کیونکہ اس سے بجز انہیں تکلیف کہ؛ کچھ حاصل نہیں "نھی النبیؐ عن الخذف، وقال: انھا لا تقتل الصید، ولا تنکی العدو، ولکنھا تفقأ العین، وتکسر السن" (ابن ماجہ: ۳۲۲۶)، انہیں آپس میں لڑوانے اور لطف اندوز ہونے سے منع فرمایا: "نھی عن التحریش بین البھائم" (ابوداؤد: ۲۵۶۲)، اسی طرح ان پر ضرورت سے زائد بوجھ ڈالنے اور ان کا خیال نہ رکھنے پر اللہ کے رسولؐ نے تنبیہ فرمائی: "اما تتقی اللہ فی ھذہ البھیمۃ التی ملککھا اللہ لك انہ شکا الی انك تجیعہ وتدئبہ" (مسلم: ۱/۲۶۸۔ ابوداؤد: ۲۵۴۹۔ ابن ماجہ: ۳۴۰، ۱/۱۲۲۔ احمد: ۱/۲۰۴)، اور جو زندہ جانوروں کا گوشت کاٹ کر کھا جایا کرتے تھے؛ اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مردار کھا رہے ہیں "ماقطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ" (ابوداؤد: ۲۴۷۵)، "ماقطع من الحی فھو میت" (ترمذی: ۱۴۰۰)، "حرمت علیکم المیتۃ ... الا ما ذکیتم" (مائدۃ: ۳)، اور بلا ضرورت کسی جانور کو قتل کرنے پر عنداللہ مسؤل ٹھہرا گیا "ما من انسان قتل عصفورا فما فوقھا بغیر حقھا الا سالہ اللہ عنہ....." (نسائی: ۴۲۷۴)، اور ان کے ساتھ بہتری کا معاملہ کرتے ہوئے ذبح کے وقت آسان سے آسان طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا: "ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیئی فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ولیحد احدکم شفرتہ ولیرح ذبیحتہ" (صحیح مسلم: ۳۶۱۵)، ساتھ ہی اسے برا بھلا کہنے اور لعنت وملامت کرنے سے بھی منع کیا گیا: "لا تسبن احدا قال فما سببت بعدہ حرا ولا عبدا ولا بعیرا ولا شاۃ" (ابوداؤد: ۴۰۸۴)

دراصل حیوانات خدا تعالی کی عظیم مخلوقات میں سے ایک ہیں، جنہیں صرف انسانوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے (یس: ۷۱۔۷۳) بلکہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ انہیں انسانی زندگی میں باعث شرف و زینت بنایا گیا: "والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق مالا تعلمون" (نحل: ۸)، شاید اشرف المخلوقات سے منسوب ہونا ہی اس کا وہ شرف ہے جس کی وجہ سے بارہا قرآن کریم میں ان کا ذکر کیا گیا، یہاں تک کہ بہت سی سورتوں کو ان کی طرف منسوب کیا گیا جیسے: سورہ بقرۃ، نحل، نمل، عنکبوت، فیل وغیرہ اور بالخصوص بقرۃ: ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۱، عمران: ۱۴، انعام: ۱۴۲، نحل: ۸۰، شعراء: ۱۳۳، حج: ۳۰، مؤمنون: ۲۱، غافر: ۷۹، زخرف: ۱۲ ....وغیرہ کی آیتیں جانوروں سے وابستہ کی گئیں اور انسانی افادیات کی تمام حقیقتوں کو اس طرح واضح کیا گیا: "والانعام خلقھا

لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون ،ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون ،وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بلغیہ الا بشق الانفس .. " (نحل: ۴تا۷، دیکھئے: یٰس: ۷۱تا۷۳)، اللہ تعالی نے جانوروں کو ایک امت تک قرار دیا ہے "وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم" (انعام: ۳۸) اور اسی پیش نظر ان کے ساتھ رحم وکرم اور ہمدردی ورواداری نیز ان کے حقوق کا تذکرہ بھی مختلف مقامات پر کیا گیا "مامن دابۃ الا ھو آخذ بنا صیتھا .. .." (ھود: ۵۶، نیز دیکھئے: عنکبوت: ۶۰، طہٰ: ۵۴، نازعات: ۳۳، سجدہ: ۲۷، یونس: ۲۴)، تو وہیں بہت سے حیوانات کا تذکرہ ان کے نام کے ساتھ کیا گیا، ان میں بعض جانوروں کا ذکر بہت خاص انداز میں ہے ،جس سے عنداللہ ان کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے جیسے: ہدہد، ابابیل وغیرہ۔ (مزید تفصیل کیلئے ان آیتوں کی تفاسیر دیکھی جاسکتی ہیں)

قرآن وحدیث کے اسی فیضان کے صدقہ مفسرین ومحدثین اور فقہا کرام نے بھی حیوانات کے حقوق کی صدا بلند کی اور قول وعمل اور اپنی قیمتی تصانیف کے ذریعہ ان کے تئیں ذمہ داریوں اور فرائض کو رونما کیا، چنانچہ فرمان الٰہی "والانعام خلقھا لکم .... مالا تعلمون" (نحل: ۴تا۷) کی تفسیر کرتے ہوئے فقہاء ومحدثین نے درج ذیل چار نتائج اخذ کئے ہیں:۔

۱۔ انسان کا حیوانات کے ساتھ خاص اور گہرا ربط ہے "ان الحیوان شدید الارتباط بالانسان وثیق الصلۃ بہ ،قریب الموقع منہ ،من ھنا کان علی الانسان حرمۃ وذمام" (القرطبی: ۱۰/۶۹)

۲۔ موجودات عالم میں انسانوں کے بعد سب سے اشرف حیوانات ہیں "ان الاشرف الاجسام الموجودۃ فی العالم السفلی [بعدالانسان] سائر الحیوانات لاختصاصھا بالقوی الشریفۃ وھی الحواس الظاھرۃ والباطنۃ والشھوۃ والغضب" (الرازی: ۱۹/۲۲۷)۔

۳۔ قرآن نے جانوروں کو صرف مادی پہلو سے دیکھنے کے بجائے اسے زینت وجمال کے پہلو سے بھی دیکھنے کا حکم دیا، اور اس طرح ان کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملہ کی ترغیب بھی دی، علامہ رازیؒ نے اسکی وجہ بتلائی کہ جب جانور شام کو چراگاہ سے لوٹتے ہیں تو مالک کی اپنی ایک شان ہوتی ہے "قال الرازی: وا علم ان وجہ التجمل بھا ان الراعی اذا روحھا بالعشی وسرحھا بالغدلۃ تزینت عند ذلک.... وعظم وقعھم عند الناس بسبب کونھم مالکین لھا" (۱۹/۲۲۸)، اسی طرح علامہ قرطبی لکھتے ہیں: "........قول الناس اذا رأوھا :ھذہ نعم فلاں ولانھا اذاراحت توفرت حسنھا وعظم شأنھا وتعلقت القلوب بھا" (۱۰/۷۰)۔

۴۔ قرآن کریم میں بعض حیوانات کا ان کے نام کے ساتھ ذکر کرنے کا یہ قطعا مطلب نہیں کہ بقیہ حیوان اس سے خارج ہیں؛ بلکہ ان کا ذکر بطور مثال ہے نہ کہ حصر؛ اسی لئے اللہ نے فرمایا: "ویخلق مالا تعلمون" (الرازی: ۱۹/۲۳۱، دیکھئے: نظرۃ الاسلام الی الحیوان: ش)۔

اسی طرح محدثین نے بھی حیوانات کے حقوق کو صحاح ستہ اور دیگر شروحات میں جگہ دی ہے اور ان کے نام پر مستقل ابواب قائم کئے ہیں "کتاب الصید، کتاب الذبائح، والعقیقہ" وغیرہ، نیز فقہا کرام نے بھی اسی کے ابواب متعین فرما کر شرح وبسط کے ساتھ بحث کی اور پوری امت کو ان کے حقوق سے باور کرایا اور تمام ہی نے بقدر کفاف نفقہ اور حسن سلوک کو واجب قرار دیا (دیکھئے: تبیین الحقائق: ۳/۶۶، مواھب الجلیل: ۴/۲۰۷، مغنی المحتاج: ۳/۴۶۲، کشاف القناع: ۵/۴۹۳ ،الانصاف: ۹/۴۱۴) یہاں تک کہ جانوروں کو امام ابوحنیفہؒ دیانۃً اور امام ابویوسف "قضاء نفقہ نہ دینے پر مجبور کرنے کا حکم دیتے ہیں (فتح القدیر: ۴/۳۱-۲۳۰)۔ ○○

ام محمد سلمان

اک ذرا سی بات

زندگی میں کئی چھوٹے بڑے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر تو معمولی مگر حقیقت میں بہت بڑا اسبق سکھا کر جاتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ بڑے تایا کی بیٹی اسلام آباد میں رہتی ہیں، بہت بڑے افسر کی بیوی ہیں۔ خود بھی ماشاء اللہ بہت نفیس شخصیت کی مالک ہیں۔ پچھلے دنوں ان کا فون آیا کہ کچھ دن کے لئے کراچی آئیں گے۔ ان کی آمد کی خبر سن کر سب گھر والے ہی بہت خوش تھے۔ اگرچہ ہمارا خاندان بہت بڑا ہے اور سب سے ملنے ملانے میں ہی ان کے دن پورے ہوجاتے تھے مگر اس کے باوجود بھی ایک دو دن تو ہمارے گھر ضرور ٹھہرتی تھیں کیونکہ مجھ سے ان کی بہت دوستی تھی۔ دوستی کی وجہ بھی خاص الخاص کہ ہم دونوں کی پسند ناپسند بھی ایک اور شعلہ و شبنم کا سا مزاج بھی ایک، اس لئے دونوں میں گاڑھی چھنتی ہے۔

مجھ سے عمر میں پانچ چھ سال بڑی ہیں اس لئے میں انہیں آپا جان ہی کہتی ہوں۔ جب بھی آتی ہیں میرے لئے ضرور کچھ نہ کچھ لے کر آتی ہیں۔ اس بار میں نے بھی ایک بہت خوبصورت سا سوٹ لے کر رکھا تھا انہیں تحفے میں دینے کے لئے۔ جب وہ آئیں تو ہم نے ان کی ایک پرتکلف سی دعوت کی۔ رات میں جب ہم دونوں بیٹھے خوب مزے سے باتیں کر رہے تھے تو میں نے وہ تحفہ نکالا اور بڑی چاہت سے انہیں پیش کیا۔ میرا خیال تھا وہ بہت خوش ہوں گی، میری پسند کو سراہیں گی۔ مگر انہوں نے ایک نظر دیکھا اور کچھ کہے بغیر لے کر ایک طرف رکھ دیا اور اسی طرح مجھ سے باتیں کرتی رہیں۔ میں دل میں بہت حیران تھی کہ انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، شکریہ تک نہیں کہا، کیا انہیں تحفہ پسند نہیں آیا؟ مگر میں نے تو بڑی محنت سے یہ سوٹ ان کے لئے منتخب کیا تھا۔ کتنی محبت اور چاؤ سے خریدا تھا؟

صبح وہ چلی گئیں اور میں گھر کے کام سمیٹنے میں لگ گئی اور دوپہر کے قریب جب میں نے کمرے میں جا کر دیکھا تو وہ تحفہ وہیں بیڈ کے ایک کونے میں پڑا تھا، وہ اسے ساتھ لے کر ہی نہ گئی تھیں۔ میں نے سوچا شاید بھول گئیں۔

میں نے انہیں فون کیا، آپا جان! آپ تحفہ تو یہیں بھول گئیں۔ مگر انہوں نے میری بات سنی ان سنی کر دی اور دوسری باتیں کرنے لگیں۔ پھر فون بند کر دیا۔

اب تو مجھے یقین ہوگیا کہ وہ تحفہ لے جانا بھولی نہیں تھیں بلکہ انہیں پسند ہی نہیں آیا۔

مگر پھر بھی ایسا تو نہیں کرنا چاہئے تھا انہیں۔ بھلا کیا ہوجاتا اگر ایک سوٹ اپنے اسٹینڈرڈ سے ذرا کم درجے کا پہن لیتیں۔ ایک بار ہی پہن لیتیں؟ یا کم از کم نہ بھی پہنتیں تو میرا دل رکھنے کے لئے ہی سہی، تحفہ قبول تو کر لیتیں؟ صرف اتنا ہی کہہ دیتیں۔ ہاں ہاں ماشاء اللہ بہت اچھا ہے۔ مگر یہ کیسی بے رخی تھی؟ میرا دل اندر تک دکھی ہوگیا تھا ان کے اس رویے کی وجہ سے اور دکھی دل اللہ کی طرف رجوع ہوجائے تو بڑے معرفت کے راز کھلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنا حال دل بیان کرتے کرتے مجھ پر بھی ایک بڑا راز کھلا۔

یہ تو دنیا ہے، میں نے بہت محنت سے محبت سے، مال خرچ کیا، وقت خرچ کیا اور ایک تحفہ خریدا کسی کو دینے کے لئے۔ اس نے قبول نہیں کیا، کوئی بات نہیں۔ میرا تو کوئی ایسا نقصان نہیں ہوا، بس ذرا سا دل ہی دکھا۔ سوٹ تو میں کسی اور کو بھی تحفتاً دے سکتی ہوں، خود بھی پہن سکتی ہوں۔ ضائع تو نہیں ہوا مگر ایک سوچ نے میرے قدم لڑکھڑا دیے۔ دل لرزا دیا!

یونہی ایک دن جب میں اپنے مالک الملک کے سامنے کھڑی ہوں گی اور وہ مجھ سے پوچھے گا میری بندی کیا لے کر آئی؟

اور میں بڑی خوشی خوشی اپنی نمازیں، روزے، اپنی عبادتیں، ریاضتیں، اور اپنے قلم کی کاوشیں، سب کچھ اس کے سامنے پیش

کروں اور وہ کہہ دے "مجھے اس میں سے کچھ قبول نہیں، یہ سب کچھ غیر معیاری ہے، یہ اخلاص کی کسوٹی پر پورا اترا ہی نہیں۔ اس میں کھوٹ ہے۔ جا لے جا نادان! یہاں خلوص کے پیمانے چلتے ہیں، اخلاص سے کئے گئے تھوڑے عمل کی بھی قدر ہے مگر تیرا عمل بیکار ہے۔ یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔"

بس وہ ایک لمحہ تھا آگہی کا، جس نے میرے جسم و جاں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایک زلزلہ تھا جو پورے وجود میں برپا تھا۔ ایک خوف جس نے دل کی دھڑکنیں تک منجمد کردی تھیں۔ دل سراپا التجا تھا، بے اختیار مالک کے سامنے گڑگڑانے لگا۔

میرے اللہ میرے معبود! میں میں اپنے تمام اعمال کی مقبولیت کی بھیک مانگتی ہوں تجھ سے، اگر اس دن تو نے مجھے دھتکار دیا تو میں کہاں جاؤں گی میرے اللہ؟ میرا کیا ٹھکانہ ہوگا؟ جسے تو ٹھکرا دے، پھر اور کہاں جائے پناہ ہے اس کے لئے؟

بہت رات بیت گئی یوں ہی سوچتے سوچتے۔ آنسوؤں سے تکیے بھگوتے بھگوتے۔ ہمیشہ اپنے اعمال پر بڑا ناز رہا۔ کبھی سوچا ہی نہیں تھا مردود کردیے گئے تو کیا ہوگا؟

وہ کیا بات تھی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث سناتے ہوئے بار بار بے ہوش ہوجاتے تھے۔ سنانے کا ارادہ کرتے اور پھر بے ہوش ہوجاتے۔ فرماتے کہ قیامت کے دن ایک عالم، ایک شہید اور ایک سخی کو بلایا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا اور عالم کہے گا "اے اللہ تیرے لئے علم حاصل کیا پھر لوگوں کو سکھایا" دوسرا کہے گا "یا اللہ تیری خاطر اپنی جان دے دی اور شہید ہوگیا" تیسرا کہے گا "میں نے اپنا مال تیری راہ میں خوب خرچ کیا" تو ارشاد باری ہوگا جھوٹ کہتے ہو، تم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ دنیا میں تمہاری خوب واہ واہ ہوجائے، سو ہوچکی۔ اب تمہارے ان اعمال کا بدلہ یہاں کچھ نہیں۔ اور انہیں اٹھا کے ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ **(اللہ اکبر! اللھم احفظنا منھم)**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سناتے تو اکثر خوف و دہشت سے بیہوش ہوجاتے تھے اور ہم پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔ پہلے بھی کئی مرتبہ سن رکھی تھی یہ حدیث، مگر کبھی یہ کشف ہوا ہی نہیں تھا کہ آخر دھتکار دیا جانا کیا ہوتا ہے؟ مردود کردیا جانا کیا چیز ہے؟ وہ کیا خوف تھا جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کے بیان کرتے وقت لرزہ براندام کردیا کرتا تھا؟

آج یہ نکتہ سمجھ میں آیا تھا۔ ایک معمولی سے واقعے نے آنکھیں کھول دی تھیں، نہ جانے کس بات کا گھمنڈ تھا کہ ضرور اللہ کے یہاں اعمال مقبول ہی ہوں گے۔ کیا پتا کب نیت کے کھوٹ سے، ریاکاری سے، سب کیا دھرا برباد ہوجائے؟ کیا پتا اعمال میں وہ خوبصورتی اور اخلاص ہو ہی نہ جو اللہ کو مطلوب ہے؟

ایک تحفے کے مردود ہوجانے کا اتنا غم، اور اگر روزِ آخرت سارے اعمال ہی لپیٹ کر منہ پر مار دیئے گئے تو کیا ہوگا؟

کیسے کیسے محنت سے کئے گئے اپنے اعمال کو ہم لوگ ضائع کر دیتے ہیں، کبھی ریاکاری سے کبھی منافقت سے، کبھی احسان جتلا جتلا کے، کبھی طعنے دے کے، کبھی جھوٹ بول کے، کبھی غیبت کر کے، کبھی دوسروں کا حق مار کے اور کبھی ظلم و زیادتی کر کے۔

"وہ لوگ جن کی کوششیں دنیا ہی کی زندگی میں برباد ہو کر رہ گئیں، اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔" **(الکھف:104)**

میرے خدا! کوئی بے چینی سی بے چینی تھی۔ غم، فکر حد سے سوا ہوگیا۔ کہیں میرے اعمال بھی برباد کردیئے جائیں، آخرت کے دن خالی ہاتھ کھڑی رہ جاؤں۔

ناکام، نامراد اور خسارہ پانے والے لوگ۔

اے میرے رحیم اے میرے کریم اللہ! مجھے معاف کردے۔ برے کاموں سے بچالے۔ بری نیت سے بچالے۔ اے اللہ! میرے اعمال کو قبولیت کا شرف بخش دے۔ ریاکاری اور منافقت سے بچالے۔ حسنِ خاتمہ نصیب کر اور اعمال میں ایسی خوبصورتی و اخلاص عطا فرما: **اللھم انی اعوذبک ان اشرک بک شیئا و انا اعلم و استغفرک لما لا اعلم۔**

اے اللہ میں اس بات سے تیری پناہ مانگتی ہوں کہ جانے انجانے میں تیرے ساتھ شرک کر بیٹھوں، کہ کسی اور کو تیرا شریک بنادوں۔ آمین یارب العالمین۔ OO

ترجمہ: مبین احمد اعظمی

اسلام ہی پوری دنیا میں امن و سکون بحال کرسکتا ہے

ایک یہودی اخبار جو جرمنی کے ایک بڑے شہر بون سے شائع ہوتا ہے، اپنی تازہ اشاعت میں لکھتا ہے "اسلام ساری مشکلات کا واحد حل ہے" یہ کثیر الاشاعت اخبار اپنی خاص اہمیت اور انفرادیت رکھتا ہے اور بڑی شہرت کا حامل ہے، اس اخبار نے جرمن مسلمانوں کے متعلق ایک تفصیلی رپورٹ شائع کرنے کے بعد ان مسلمانوں کے انٹرویو بھی پیش کئے ہیں جو پہلے متشدد عیسائی تھے لیکن اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا ہے۔ جیسے وہ اپنے سابق دین پر کاربند تھے اس سے کہیں زیادہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ اخبار نے ایسے لوگوں سے بات چیت کے دوران خصوصیت سے یہ سوال اٹھایا ہے کہ مغرب میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اخبار نے ایک کرسچین ہولیمین نومسلم عبدالہادی سے ملاقات کی تفصیل شائع کی ہے جو جرمنی کے موجودہ چانسلر سلیموٹ کول کی قیادت میں برسراقتدار مسیحی سوشلسٹ پارٹی سے متعلق خبر رسانی کے شعبہ سے ایک لمبی مدت سے وابستہ رہ چکے ہیں، انہیں اپنی کتاب "مختلف افسروں کے درمیان" کی وجہ سے اپنی خدمات سے دستبردار ہونا پڑا، جو حکومت کے لوگوں کو اس لئے زیادہ کھٹکتی تھی کہ اس میں ان جرمن نومسلم کی اذیتوں اور مصائب کا ذکر تھا جنہیں اس کے اسلام لانے کے بعد جھیلنا پڑا، اور معاشرہ میں اسے تیسرے درجے کا شہری سمجھا جانے لگا۔

جرمنی میں فرانس کے بعد مغربی یورپ میں سب سے بڑی مسلم آبادی ہے۔ تقریباً 4 سے 4.5 ملین مسلمان جرمنی میں رہتے ہیں۔ ان میں سے 80% جرمن شہریت نہیں رکھتے ہیں۔ حالیہ اعداد و شمار میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ 608000 مسلمانوں کو جرمن شہریت حاصل ہے جب کہ قریب ایک لاکھ جرمن شہریوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ مسلمان آبادی کا 70 فیصد ترکی سے نقل مقام کرنے والوں پر مشتمل ہے۔ مسلمان برلن، کولون، فرینکفرٹ، سٹٹگارٹ، ڈارٹمنڈ، ایسن، ڈیوسبرگ، میونخ، نیورمبرگ، ہیمبرگ اور گیپنگین (Goppingen) کے صنعتی علاقوں کے ارد گرد آباد ہیں۔ اس کے برعکس کچھ مسلمان مشرقی جرمنی کے علاقوں میں رہتے ہیں۔ جرمن چانسلر انگیلا میرکل نے اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ "اسلام جرمنی کا حصہ ہے۔" چونکہ امیگریشن اور قبول اسلام سے مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، اس وجہ کئی حلقوں سے صدائے مخالفت بھی بڑھ رہی ہے۔ ملک کی ایک سیاسی دائیں محاذ کی جماعت اے ایف ڈی، اسلام اور تارکین وطن مخالف جماعت کے طور پر جانی جاتی ہے اور وہ کلون میں اس موضوع پر 2017ء میں ایک کانفرنس بھی کر چکی ہے۔ اس کانفرنس کے خلاف زبردست عوامی مظاہرے ہوئے اور بلالحاظ مذہب و ملت عام جرمن شہریوں نے پارٹی کے خلاف پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے، جن پر درج تھا کہ "نازیوں کو روکا جائے۔"

بہرحال اخبار نے وضاحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت جرمنی میں قریب ایک لاکھ ایسے مسلمان پائے جاتے ہیں جن کو ملک کی شہریت حاصل ہے اور یہ تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے، اس وقت بہت سے ایسے لوگ جن کی سیاست و قیادت سے تعلق ہے، یا ڈاکٹر صاحبان ہیں، اور انجینئرز و اسکالرز بھی بڑی تعداد میں اسلام لاچکے ہیں۔

اخبار نے لکھا ہے اسلام میں داخل ہونے والے لوگ دو طرح کے ہیں، ایک تو

وہ جو اسلامی ملکوں میں گئے اور مسلمانوں کی بستیوں میں رہے اور اسلام کا مطالعہ کیا، دوسرے وہ ہیں جو کہیں گئے تو نہیں لیکن اپنے ملک میں ہی رہ کر اسلام کو سمجھا اور پڑھا، اور دین اسلام کی معرفت حاصل کی، آخر یہ بات ان پر آشکارا ہوگئی کہ دین اسلام ہی آخری سماوی دین ہے، اور تمام لوگوں کی نجات و کامیابی کے لئے اللہ نے اس دین کا انتخاب فرمایا ہے، معاشرہ کے ناسور کا علاج اسی سے ممکن ہے اور زندگی کی تمام مشکلات کا حل اسی دین سے وابستہ رہنے سے حاصل ہوگا، اور پوری دنیا میں امن وسکون اسلام ہی بحال کرسکتا ہے۔ اس کی تعلیمات اپنا خاص اثر رکھتی ہیں۔

نومسلم عبدالہادی نے جو ایک معروف شخص اور سچے مسلمان ہیں ایک موقع پر اخبار عالم اسلامی کو اپنے ایک انٹرویو میں اپنے اسلام لانے کے بارے میں یہ بتاتے ہوئے کہا تھا۔ میں وہ دن نہیں بھول سکتا کہ جب میں اپنے ایک باغ میں موسم گرما میں بیٹھا تھا، ایسا محسوس ہوا کہ نیلا آسمان ہے اور سورج کی چمک دمک پورے آب وتاب کے ساتھ ظاہر ہورہی ہے۔ یکایک ایک شعاع ہے جو میرے دل کو لگی، اور زخمی کرگئی، پورے جسم کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا اور اس چنگاری نے یہ کہتے ہوئے دل کو زخمی کیا، بس اسلام ہی آخری دین الٰہی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے چنا جو ہمارا، تمہارا اور تمام لوگوں کا رب ہے، موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کا رب ہے، سب کا پروردگار اور مالک حقیقی اور منعم ورازق وہی ہے۔

صحافی ایڈبرٹ رائف نے جو علم لاہوت کے ماہر ہیں، یہ بات واضح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہ بتاتا ہے کہ اس نے ہر شخص کے لئے اسلام میں داخل ہونے کے لئے راستہ صاف رکھا ہے، اور سب کے لئے میدان کھلا ہوا ہے، ہاں جس کے ساتھ اللہ رب العزت ہدایت کا ارادہ رکھتے ہیں، اس کے دل کو اسلام سے مانوس کردیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ، وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ۔

(الانعام:125)

صحافی کہتے ہیں ''موجودہ عیسائیت کئی چیزوں میں فطرت سے لڑتی ہے جو اسلامی اصولوں کے سراسر منافی ہیں، اسلام میں مذہبی لوگوں پر شادی کرنا ممنوع اور حرام نہیں ہے جب کہ موجودہ عیسائیت میں ایسا کرنے والا قصوروار گردانا جاتا ہے، چنانچہ اب ایسا دیکھنے میں آرہا ہے کہ بڑی تعداد میں وہ عیسائی جن کا علم ودین سے تعلق ہے، اسلام قبول کررہے ہیں، اس لئے کہ ان پر اب واضح ہوچکا ہے کہ اسلام روح وقلب کی پاکیزگی اور صفائی کی طرف خصوصیت سے زور دیتا ہے اور اعلیٰ اخلاقی کردار پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

ایک نومسلم یورپین خاتون نے یورپین تہذیب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمان خاتون دوسری خواتین سے اپنی بہت سی چیزوں میں ممتاز ہے۔ یہ باوجود عمر زیادہ ہونے کے اپنی نسوانیت کی حفاظت کرتی ہے اور اسے ضائع ہونے نہیں دیتی، برخلاف یورپین عورتوں کے تیس سال سے عمر تجاوز ہوتو کریم وپاؤڈر سے اپنا چہرہ بگاڑ لیتی ہیں، میک اپ کرکر کے اپنی ہیئت خراب کردیتی ہیں۔ ایک فرق اور امتیاز یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنی بیوی کا زیادہ خیال رکھتا ہے، اور اس کی ذات کو معاشرہ کی خرابیوں سے دور رکھتا ہے، اس کی جنس کا احترام کرتا ہے، بہت سی یورپین عورتیں اس وجہ سے بھی اسلام لائیں۔

اخبار نے آخر میں اس شکایت کا ذکر کیا ہے کہ یورپ میں اسلام کو بری شکل میں پیش کیا جارہا ہے، اور اس کو ایک بڑے دشمن کی حیثیت سے بتایا جارہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کو اس کی اصلی اور صحیح شکل میں پیش کیا جائے، افسوس کی بات تو یہ ہے کہ میڈیا جس کو امانتدار اور سچا ہونا چاہئے، وہ بھی اسلام کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے، جب کہ اسلام امن وسلامتی اور بھائی چارگی، اعلیٰ اخلاق وکردار کی دعوت دیتا ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام جو سب سے بہتر مذہب ہے، اور سب سے بہتر راہ عمل رکھتا ہے، آخر کیوں پورا یورپ ومغرب اس کے پیچھے پڑا ہے اور اس کی تعلیمات کے آگے رکاوٹ بن رہا ہے۔

ooo

خدمت میں عظمت

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس میں توازن کا نام اسلام ہے۔ اس دنیا میں ہر نظام کے اندر افراط وتفریط موجود ہے، کہیں حقوق اللہ موجود ہیں تو حقوق العباد اور حقوق النفس کا فقدان ہے جیسے مذہب عیسائی، کہیں حقوق النفس ادا کئے جاتے ہیں تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ترک کردیا جاتا ہے جیسے یہودیت اور ہندومت اور کہیں حقوق العباد پر زور دیا جاتا ہے تو حقوق اللہ اور حقوق النفس سے عام بے رغبتی ہے جیسے سیکولر مغربی نظام ہے وغیرہ۔ ان سب کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام نے ایک بڑا ہی متوازن اور عدل و احسان سے بھرپور نظام دیا ہے جس کو قرآن مجید نے ”دین اسلام“ کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس نظام میں ہر تین حقوق کے درمیان توازن قائم کیا گیا ہے۔ اگرچہ گزشتہ مذاہب بھی انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے ہی ہیں لیکن ان میں جہاں جہاں انسان نے اپنی دانست استعمال کرکے تحریف کی کوشش کی ہے وہیں پر یہ نظام عدم توازن کا شکار ہوگیا ہے اور بگڑتے بگڑتے آج یہ صورتحال ہوگئی کہ ان تعلیمات کی اصل شکل ہی مسخ ہوکر رہ گئی ہے جب کہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو آج تک ہر طرح کی تحریف سے مطلقاً پاک ہے۔

”خدمت خلق“ اسلام کا وہ باب ہے جس کے ڈانڈے حقوق العباد سے ملتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ انبیاء کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ ”خالق براستہ مخلوق“ تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ تعلیم کے ذریعے عقائد کی درستگی سب سے بڑی خدمت ہے، اس لئے کہ اگر تصورات ہی واضح اور پختہ نہ ہوں گے تو اعمال کی درست عمارت کھڑی ہی نہیں ہوسکتی۔ ایک خدا کے پجاری میں اور خواہش نفس کے پجاری میں مشرق و مغرب کا فرق ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ کی کہ انہیں تعلیم سے آراستہ کرکے انہیں انسان بنایا، پتھروں اور درختوں کو پوجنے والوں کو ایک الٰہ کے آگے سربسجود کیا، احساس ذمہ داری کی خاطر انہیں آخرت کی حقیقت سے آگاہ کیا، للّٰہیت کی خاطر انہیں انبیاء علیہم السلام کے طریقوں کا پیروکار کیا کہ جن سے بہتر لوگ اس زمین کے سینے پر کبھی وارد نہیں ہوئے اور نہ ہی آئندہ کبھی ہوں گے۔ ان عقائد کی درستگی کے نتیجے میں ایک ایسا گروہ تیار ہوا جس نے بالآخر بے لوث ہوکر انسانیت کی خدمت کی اور ایسی ایسی زندہ روایت چھوڑیں کہ آج بھی انسانیت ان کے تذکروں سے آسودگی، ٹھنڈک اور مٹھاس باقی ہے اور آج بھی ان کے دروس خدمت تازہ وخوشبودار ہیں اور آج بھی وہ ہستیاں کل انسانیت کے لئے مینارہ نور سے کم نہیں ہیں۔

خدمت خلق کے تمام دروس کا منبع حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، جیسے حضرت آدم علیہ السلام سے نسل انسانیت کا آغاز کیا اور اوّلین انسانوں کو معرفت الٰہی عطا کی، حضرت ادریس علیہ السلام نے قلم سے لکھنے کا آغاز فرمایا اور تعلیم وتعلم میں آلہ قلم کے باعث آج تک ابلاغ وصحافت کی خدمت جاری ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سسکتی انسانیت کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی جس کے باعث آج تک ہر قوم آزادی کو اپنا حق اور آزادی کے دفاع کو اپنا فرض سمجھتی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے انسانیت کو لوہے کی ٹکنالوجی سے آگاہ کیا جس سے آج تک دنیا کا کاروبار معیشت گرم ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فن طب کی بنیاد رکھی جس کے باعث ایک دنیا ہے جو آج تک شفایاب

ہوتی چلی جارہی ہے اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی نوع انسان میں انسانیت کا آغاز کیا اور کتنی حیرانی کی بات ہے کہ ہر سبق کا آغاز اس کے بانی سے کیا جاتا ہے، ''ایٹم'' جیسے سبق کا آغاز بوہر سے کیا جاتا ہے جب کہ بوہر کی بتائی ہوئی بات کہ ایٹم مادہ کا سب سے چھوٹا ذرہ ہے، غلط ثابت ہوچکی ہے، ہندوستان یا پاکستان کے سبق کا آغاز گاندھی جی یا قائد اعظم سے ہوتا ہے جب کہ انسانیت کے سبق سے قبل بانی انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا دیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد ایک ہزار سالوں تک مسلمانوں نے اس عالم انسانیت کی خدمت کی، روم اور یونان کے جمود کا شکار علم طبعیات و کیمیا کو مسلمانوں کے ہاتھوں تجدید حیات میسر آئی، سود اور غلامی جیسی قباحتوں کا خاتمہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوا چنانچہ ایک ہزار سالہ طویل دور میں مسلمانوں نے کسی قوم کو اپنا تہذیبی، تعلیمی، معاشی یا تعلیمی غلام نہیں بنایا جب کہ مسلمانوں کے بعد سے آج تک سیکولر مغربی تہذیب نے دنیا کی اقوام کو ناک تک غلامی کی زنجیروں میں بری طرح جکڑ رکھا ہے۔

بے لوث خدمت خلق دراصل انبیاء علیہم السلام کا دیا ہوا سبق ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی نے اپنی قوم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہا اور بغیر کسی بدلے کے ان کی خدمت کی ہے۔ خدمت خلق میں سب سے پہلا درجہ والدین کا ہے، قرآن مجید نے والدین کی خدمت کی بہت تلقین کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد والدین ہی انسان کے لئے سب سے بڑے خیر خواہ ہوتے ہیں اور وہی انسان کی خدمت کے حقدار ہوتے ہیں۔ آسمانی تعلیمات میں یہ بات تحریر ہے کہ جب والدین بوڑھے ہو جائیں تو ان کے آگے ''اُف'' بھی نہ کرو یعنی اپنی تکلیف کا اظہار بھی نہ کرو اور ان کے سامنے جھکے رہو اور ان سے نرمی سے بات کرو انہیں جھڑکو نہیں یہاں تک کہ بعض کتب میں لکھا ہے کہ دوران نماز (نفل) اگر والدین میں سے کوئی بلائے تو اپنی نماز توڑ کر ان کی بات سنی جائے۔ والدین کے بعد ان کے والدین، پھر بہن بھائی اور والدین کے بہن بھائی اور پھر دیگر رشتہ دار جن میں عزیز و اقرباء رضاعی و سسرالی اور خاندان و قبیلہ کے دیگر افراد شامل ہیں۔ ان سب کی خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ''صلح رحمی'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ''صلہ'' کا مطلب جوڑنا ہے اور ''رحم'' ماں کے پیٹ کو کہتے ہیں، رشتے سب ماں کے پیٹ سے ہی تعلق رکھتے ہیں اس لئے قرآن و سنت سے صلہ رحمی پر بہت زور دیا ہے اور قطع رحمی یعنی رشتہ داروں سے تعلقات کو ختم کرنے کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

خدمت خلق میں اگلا بہت اہم درجہ پڑوسی کا ہے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل نے پڑوسیوں کے بارے میں اتنی تاکید کی کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا پڑوسی کو وراثت میں شریک کر دیا جائے، ایک بار جنازہ گزرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیسا آدمی تھا؟ لوگوں نے بہت تعریف کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پڑوسی کے ساتھ اس کا رویہ کیسا تھا؟ لوگ خاموش ہوگئے جس کا مطلب واضح تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں گیا، کچھ عرصہ بعد پھر ایک جنازہ گزرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیسا آدمی تھا لوگوں نے مرنے والے کو اچھا نہ گردانا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پڑوسی کے ساتھ اس کا رویہ کیسا تھا لوگوں نے بہت تعریف کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں گیا۔ خدمت خلق کے بارے میں ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز محشر اللہ تعالیٰ بندے سے کہے گا کہ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا؟ بندہ کہے گا اے بار الہٰ تو کیسے بھوکا ہوسکتا ہے کیونکہ تو تو ہر کمزوری سے پاک ہے؟ اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تو اس کو کھانا کھلاتا تو وہاں مجھے پاتا، پھر اللہ تعالیٰ کہے گا میں بیمار

تھا تو نے میری طبیعت پرسی نہیں کی؟ بندہ کہے گا اے بار الہ تو کیسے بیمار ہو سکتا ہے کہ تو تو ہر کمزوری سے پاک ہے تب اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو وہاں مجھے پاتا۔ ایک حدیث نبوی کا مفہوم ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا مفلس کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اس طرح پیش ہوگا کہ اس کی نمازیں، روزے اور عبادتیں وغیرہ پوری ہوں گی اور جب فرشتے اسے جنت میں لے جانے لگیں گے تو ایک آدمی بڑھے گا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اس نے میرا حق مارا تھا، دوسرا بڑھے گا اور عرض کرے گا اس نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی تیسرا بڑھے گا اور عرض کرے گا اور کہے گا کہ اس نے میری غیبت کی تھی وغیرہ اس آدمی کی نیکیاں ان لوگوں میں بانٹی جاتی رہیں گی یہاں تک کہ اس کی نمازیں روزے اور عبادتیں وغیرہ ختم ہو جائیں گے اور دعویٰ کرنے والے لوگ باقی ہوں گے تب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی برائیاں اسے دیتا رہے گا یہاں تک کہ جنت میں جانے والا وہ شخص دوزخ میں ڈھکیل دیا جائے گا۔

''خدمت خلق'' میں خلق کے اندر غیر انسان بھی داخل ہیں، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ایک یہودی کے سامنے سے گزرے اس نے ایک ہرنی کو اپنے جال میں پھانسا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا کہ اس ہرنی کو آزاد کردے یہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر لوٹ آئے گی۔ اس یہودی نے بڑا ہی بازاری جواب دیا کہ پھر اس کی جگہ جال میں آپ بیٹھ جاؤ، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی ہو گئے اور آسمان نے دیکھا کہ ہرنی کی جگہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جال میں بیٹھے ہیں اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ہرنی اپنے بچوں سمیت وہاں پہنچ گئی، اس پر وہ یہودی مسلمان ہو گیا اور جانور کو بھی آزاد کردیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں آزادی حاصل کرنے والی ہرنی خوشی کے مارے اپنے پچھلے دونوں پاؤں پر ناچتی ہوئی جنگل میں سدھار گئی۔ ایک بار کچھ لوگ اپنے اونٹ کے ساتھ مدینہ آئے اس اونٹ نے گردن لمبی کر کے اپنا سر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیا اور اپنی زبان میں کچھ بولا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ یہ شکایت کر رہا ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو کھانے کو کم دیتے ہو اور مارتے بھی ہو، کم و بیش ڈھائی مہینے کے بعد وہ لوگ دوبارہ اس اونٹ کو لے کر آئے اور عرض خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اب اونٹ کو دیکھ لیجئے اس دوران ہم نے اس سے کوئی کام نہیں لیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کی صحت دیکھ کر اس سے کام لینے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلی پسند تھی، جب بھی غصہ آتا تو روئی کا ایک گولہ اسے دے مارتے تھے۔ ایک بار ایک صحابی کے سر کے گرد پرندے چکر لگا رہے تھے، استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ کسی پرندے کے گھونسلے سے اس کے بچے اٹھا لایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو حکم دیا کہ فوراً ان کے بچے واپس رکھ آؤ۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے پودوں کے بارے میں بھی حکم دیا ہے کہ رات کے وقت پودوں کا کانٹ چھانٹ مت کیا کرو کہ یہ ان کے آرام کا وقت ہوتا ہے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ اس دنیا پر مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ شاندار عرصہ اقتدار میں خدمت انسانیت کی انمٹ تاریخ رقم کی گئی۔ اس پورے سنہری دور میں تعلیم کے نام پر کوئی معاوضہ وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ استاد کا مقام سگے باپ سے کہیں بڑھ کر ہوتا تھا اور طالب علم سے محبت میں سگی اولاد پیچھے رہ جاتی تھی، آج تک آسمان علم پر چمکنے والے آفتاب و ماہتاب اپنے اساتذہ و تلامذہ کے ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح طب کے میدان میں صدیوں تک اور نسلوں تک یہ تصور ہی نہ تھا کہ علاج کرا کے کوئی رقم بھی ادا کی جاتی ہے۔

خاندان کے خاندان اس خدمت معالجہ سے وابستہ تھے، حکومت وقت ان خاندانوں کو بھاری مشاہیر ادا کرتی تھی اور فی سبیل اللہ علاج کے ذریعے پوری قوم میں شفا کو بالکل مفت تقسیم کیا جاتا تھا، بلکہ اگر کوئی مریض بغرض علاج روک لیا جاتا تو جتنے دن اس کا علاج جاری رہتا اتنے دنوں میں ہونے والے اس کے معاشی نقصان کا ازالہ بھی کیا جاتا اور وہ جس پیشے سے تعلق رکھتا اس کے حساب سے اتنے دنوں کی آمدنی کے برابر اسے رقم ادا کردی جاتی۔ کھانا کھلانے کی خدمت تو اتنے وسیع پیمانے پر تھی کہ شہر کے روسا اپنی نجی مجالس میں اپنے دسترخوان کی وسعت پر باہم فخر ہوا کرتے تھے اور مہمان و مسافر ڈھونڈ کر لانے والے بچوں کو انعامات سے نوازا جاتا تھا۔ دسترخوان پر آنے والے کی اس قدر عزت افزائی کی جاتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو بھکاری کے بجائے ایک معزز مہمان تصور کرتا تھا، گھر کا سربراہ خود سے اس کے ہاتھ دھلواتا تھا آنے والے کو اپنے جوتے تک اٹھانے نہیں پڑتے تھے اور بڑے اعلیٰ اعلیٰ پکوان انہیں کھانے کو پیش کئے جاتے خاص طور ر رمضان المبارک میں تو یہ سلسلہ بہت زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ مسلمانوں کے دور اقتدار میں معذور لوگوں کو اجازت تھی کہ کسی بھی گھر میں داخل ہوجائیں اور وہاں سے جو چاہیں کھا پی لیں اور اہل خانہ ان معذور افراد کو بھی خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے تھے۔

مسلمانوں کا دور ختم ہوتے ہی سیکولرازم نے خدمت کے نام پر دوکانداری کا آغاز کردیا، اس بدبودار سیکولر مغربی تہذیب نے انسان کی ہر خدمت کا معاوضہ لگادیا اور جو خدمت جتنی مجبوری کی ہو اس کے دام اتنے زیادہ بڑھا دیئے۔ اعلیٰ تعلیم بہت مہنگی کردی، علاج کے نام پر لوٹ مار اس انسان دشمن سیکولر تہذیب کے دامن پر تاریخ کا سیاہ ترین دھبہ ہے۔ دوائیوں کی قیمتیں اور اطباء کا معاوضہ غریب اقوام کی پہنچ سے کہیں باہر ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک میں لوگ بیماریوں کے آسیب کا شکار ہوجاتے ہیں۔ حد تو یہ کھانے پینے کے عوض بھی رقم اینٹھ لی جاتی ہے۔ ماضی قریب تک مسلمانوں کی بستیوں میں دودھ بیچنا ایک طعنہ سمجھا جاتا لیکن اب دودھ کی فروخت بھی بڑے بڑے کاروباروں میں سے ایک ہے۔ اس مکروہ سیکولرازم نے خدمت خلق کا گلا ہی دبا دیا ہے، حتیٰ کہ نوخیز بنت حوا کی مسکراہٹ کو بھی منافع بخش بنا کر اس کو بازار کی زینت بنا ڈالا، لعنت ہو ایسی تہذیب پر، ان سیکولر ممالک نے دنیا کو سود کی ظالم ترین زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے، جب اقوام عالم سود ادا نہیں کرپاتیں تو ان کے جنگلات، زیرزمین خزانے اور ان کے قدرتی وسائل پر معاہدوں کے ذریعے قبضہ کرلیا جاتا ہے اور ان کے ملکوں میں پہنچ کر ان کے مزدوروں کا بدترین استحصال کیا جاتا ہے۔ ان ملکوں میں لوٹ مار کرکے حاصل کی ہوئی رقم کی ایک بہت محدود اور معمولی ترین مقدار کے برابر ان کی سہولیات پر خدمت کے نام پر خرچ کرکے تو انسانیت کے ٹھیکیدار بننے کی بھونڈی کوشش کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے اس خدمت کی تشہیر پر ہی جتنی رقم خرچ کردی جاتی ہے صرف اسی رقم سے ان مفلوک الحال قوموں میں کتنے ہی فلاحی منصوبے کھڑے کئے جاسکتے ہیں لیکن یہاں مقصد خدمت انسانیت نہیں بلکہ اپنے پیٹ اور پیٹ سے نیچے کی خواہش کا ایندھن فراہم کرنا ہے۔ سال بھر میں خدمت خلق کے نام پر ایک دن منا کر انسانیت کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والا سیکولرازم اب بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے۔ مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں عام طور پر اب اس سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ایک تحریک نفرت جاگ اٹھی ہے اور امت مسلمہ خاص طور پر اپنے ایام گزشتہ کے بل بوتے پر تاریخ آئندہ رقم کرنے کے لئے جادہ پیما ہے، بس کچھ ہی دن ہیں کہ سوشل ازم کی طرح یہ مداری بھی اپنا تماشا دکھا کر گیا چاہتا ہے اور اس کرہ ارض کا مستقبل محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خلق کی جملہ تعلیمات سے ہی وابستہ ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

ooo

نوجوانوں سے وقت کی فریاد

مولانا محمد عبدالقادر فریدقاسمی

یہ حقیقت ہے کہ جوانی نام ہے حوصلوں، امنگوں کا، عزائم، ارادوں کی بلند پروازی کا، جفاکشی، وفاشعاری کا۔ ان ہی کے دم سے قوموں، تحریکوں، تنظیموں کا عروج ہے اور ان ہی کے خم سے ان کا زوال ہے، ان ہی کی ثبات قدمی سے وقت کے انا کے قدم لرزہ کھا جاتے ہیں اوران کی نظروفکر کی بلندی سے باطل نظریات و افکار سرنگوں ہوجاتے ہیں، ان کے عزائم کی جولانی میں آکر نامساعد حالات وجود کھودیتے ہیں، اگر بات کوسمیٹ لیں تو یہ کہا جائے گا قوموں کا عروج وزوال انہیں سے وابستہ ہے، آدم علیہ السلام سے (اس وقت تک) تاریخ کے سینے میں یہ حقیقت نقش ہے، جب کسی دور کا جوان بگڑا اس دوران احوال بھی ناقابل بیان حدتک بگڑے اور اگر نوجوان سیدھی ڈگر پر آیا تو اس وقت کا زمانہ بھی بے مثال بن گیا۔

انسانیت کے تقاضے جس نوعیت کے بھی ہوں، چاہے اس کا تعلق سیاسیات سے ہوں، یا اقتصادیات سے، سماجیات سے ہو یا ملکی حالات سے، معاشرتی مسائل ہو یا معاملاتی، قومی ہوں یا ملی، قیادت کے ہوں یا سیادت کے، کچھ بھی ہو اگر اس میں نوجوانوں کا عزم پنہاں اور خلوص نیت بھی شامل ہو تو اس میں کامیابی و کامرانی پہلے بھی آتی تھی اور آئندہ بھی ضرور آئے گی، ماضی اس پر شاہد ہے کہ خالد بن ولید کا خدا کی تلوار بن کر دشمن کو ناکوں چنے چبوانا، اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی پورے شباب اور شباب کے سارے تقاضوں کو قربان کردینا۔ اس عظیم جرنیل کا کمال خلوص یہ کہ وقت کے امیر کا حکم مل گیا کہ اب گوشہ نشین ہوجاؤ، کیا مجال تھی ایک قدم آگے بڑھ جائے، شہادت کا بے پناہ جذبہ لے کر جو پوری جوانی میدان کارزار میں گزاری، اس کی موت اپنے بستر پر ہوگئی۔ طارق بن زیاد کا کارنامۂ اندلس، نورالدین زنگی کا گستاخانِ رسول کو واصل جہنم کرنا، صلاح الدین ایوبی کا صلیبی عالمی بالادستی کو اپنے پیروں تلے روندنا، محمد بن قاسم کا ایک مظلوم بہن کی فریاد پر طویل سفر کرکے ظالموں کو انجام تک پہنچانا، ہند میں پرچم اسلام کو گاڑنا، اس جیسی بے شمار مثالیں تاریخ کے وسیع وعریض دامن میں موجود ہیں، یہ صرف چند مسلم نوجوانوں کے اسلامی کارنامے ہیں، ورنہ ماضی کی چھاتی پر انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق مسلم نوجوانوں کے کارناموں کے ان مٹ نقوش موجود ہیں۔

یہ تصویر کا ایک رخ تھا، تصویر کا دوسرا رخ یعنی جرائم و واردات میں نوجوانوں کے کردار کو دیکھیں وہ ناقابل بیان ہیں، زن پرستی اور زرپرستی کو لے کر قابیل سے لے کر آج تک جو کچھ ہوا اور جو چل رہا ہے اہلِ نظر سے مخفی نہیں، مذہب، عقائد، علاقائی ولسانی تعصب کی بنیاد پر نوجوانوں سے سفاکیت اور بہیمیت جو کروائی جارہی ہے اس سے انسانیت کا سر شرمسار اور حیوانیت بھی ماتم کناں ہے۔

ایسے پُرآشوب دور میں، جب کہ ہرسمت سے امت مسلمہ پر حملے اور اسلام کی بیخ کنی کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہو، مسلم نوجوانوں کی ذمہ داریاں دُگنی ہوجاتی ہے، ایک اپنے آپ کو تعلیم وترقی و تزکیہ سے سنوارنے کی، دوسرا پوری باریک بینی کے ساتھ احوال عالم کا جائزہ لینے، دشمن کی تدابیر کو سمجھنے پھر ذی شعور علماء کرام کی سرکردگی میں ان سے مقابلہ کرنے کے لئے لائحہ عمل تیار کرکے سرگرم

عمل ہو جانے کی، کیونکہ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں پورے جوش وولولہ کے ساتھ وہی افراد کام کرسکتے ہیں جن میں موجوں کا زور اور آبشاروں کا شور ہو اور یہ طاقت نوجوانوں کو حاصل ہے۔

نوجوانوں سے اپیل

جب اتنی گراں بار ذمہ داری آپ کے دوش پر ہے تو آپ کو اس ذمہ داری کا حامل بننے کے لئے سب سے پہلے کچھ کام کرنے ہوں گے اور وہ بھی پوری جواں مردی کے ساتھ۔

1-علمائے کرام کے ساتھ اپنے رابطہ کو مضبوط کرکے ان سے اسلامیات و اخلاقیات معلوم کرنا اور سیکھنا۔

2-مقصد زندگی جان کر حتی المقدور اس کو پورا کرنا۔

3-اہل علم سے رائے ومشورہ کرکے پوری دانائی اور تدبیر کے ساتھ گھر کے ماحول کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرنا۔

4-اخلاقی پستیوں سے نکل کر عمدہ اخلاق کی مثال بننا۔

5-لغو ولایعنی مشغولیات کو ترک کرکے اپنے خیالات کو اسلام کی آبیاری کے لئے استعمال کرنا۔

6-پورے استقلال کے ساتھ ترک معصیت اور اعمال صالحہ کرنے کی کوشش کرنا۔

7-غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات کو جوڑ کر، خود ان کی تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر، اسلامی تہذیب کو اور اپنے عمدہ کردار کو ان کے سامنے پیش کرنا۔

وقت کی پکار

علاقائی اور ملکی سطح سے آگے بڑھ کر عالمی سطح پر اسلام اور مسلم دشمنی کا بازار گرم ہے، نوبت بایں جارسید کہ شعائر اسلام کو مٹانے اور اسلامی قوانین میں مداخلت کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے، بعض جگہ اسلام پر ہی پابندی ہے بعض جگہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی سعی پیہم جاری ہے، لگتا ایسا ہے کہ ہر ایک کا ہی نعرہ ہے: "لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا" تو ایسے زمانے میں وقت کی پکار علامہ اقبال کی زبانی ہے۔ ع

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

تاریخ کی چلمن سے جھانک کر ماضی سے سبق حاصل کرنا اور اسلام کی آبیاری کے لئے کمر ہمت کسنا، دشمن کی ہر خفیہ چال، خفیہ تحریکوں سے باخبر ہو کر اس طرز کا مقابلہ کرنا اور اسلام کا باحسن وجوہ دفاع کرنا ہے، خدا سے امید نصرت لگا کر زبان پر یہ دعا رکھنی ہے۔ رب انی مغلوب فانتصر تو پھر کوئی بعید نہیں کہ ہم کو یہ مژدۂ جاں فزا ملے۔

نصر من اللّٰہ و فتح قریب۔

○○○

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کا سالانہ چندہ ختم ہو گیا ہے اور بعض لوگوں کا کئی سال کا بقایا ہے۔ ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

رضوان کا سالانہ چندہ مبلغ -/300 روپے ہے۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/ بجے سے شام ۵/ بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/ بجے سے ۵/ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س: وضوء یا غسل کرنے کے بعد بدن سے جو پانی ٹپکتا ہے وہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر وہ کپڑے پر لگ جائے تو اس کپڑے کا کیا حکم ہوگا؟

ج: وضوء اور غسل کے بعد بدن سے ٹپکنے والا پانی نجس نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ کپڑے میں لگ جائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔ (شامی-1/147)

س: موبائل کی اسکرین پر قرآن کی آیت ہے تو کیا بلا وضوء اس موبائل کی اسکرین کو چھو سکتے ہیں؟ یا جہاں قرآن کی آیات نظر نہیں آرہی ہیں کیا اس حصہ کو چھو سکتے ہیں؟ اگر آیات اسکرین پر ظاہر نہ ہو تو بلا وضوء اس کے چھونے کا کیا حکم ہے؟

ج: جب موبائل کی اسکرین پر قرآنی آیات نمایاں ہوں تو اس کا حکم مطبوعہ قرآن جیسا ہے یعنی بلا وضوء اسکرین چھونا ناجائز ہے، لیکن موبائل کے دوسرے حصہ کو چھونا جائز ہے، اسی طرح جب آیات نمایاں نہ ہوں تو خواہ قرآن مجید موبائل کی میموری میں موجود ہی کیوں نہ ہو اس موبائل کو بلا وضوء چھوا جاسکتا ہے۔ (شامی-1/214، کتاب النوازل-3/106/111)

س: بعض حضرات کو دیکھا جاتا ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے ان کے ہونٹ بالکل نہیں ہلتے، غالباً وہ دل ہی دل میں قرأت کرتے ہوں گے تو کیا اگر زبان سے قرأت نہ کی جائے تو شرعاً وہ معتبر ہوگی؟

ج: نماز میں قرأت کا تلفظ زبان سے کرنا ضروری ہے، اگر دل ہی دل میں قرأت کی اور زبان سے صحیح حروف نہیں کی تو قرأت کی ادائیگی نہیں ہوگی، اور جب قرأت کی ادائیگی نہیں ہوگی تو اس کی نماز بھی نہیں ہوگی، لہٰذا ان حضرات پر لازم ہے کہ اپنی یہ عادت تبدیل کریں۔ (فتاویٰ التاتارخانیہ-2/56)

س: کچھ مسجدوں میں پلاسٹک کی ٹوپیاں رکھی رہتی ہیں، جن حضرات کے پاس ٹوپی نہیں ہوتی ہے وہ اس کو پہن کر نماز پڑھتے ہیں، اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

ج: یہ ٹوپیاں لوگوں کے پسندیدہ لباس میں شامل نہیں ہیں، اس بناء پر ان ٹوپیوں کو پہن کر کوئی بھی اچھی جگہوں پر نہیں جاتا ہے، نماز کے بارے میں حکم ہے کہ باوقار لباس میں ادا کی جائے، ایسے لباس میں نہ پڑھی جائے جن کو پہن کر باعزت لوگوں کے مجمع میں جانا پسند نہ کیا جاتا ہو۔ لہٰذا ان ٹوپیوں کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور یہ کراہیت اس وقت اور بڑھ جائے گی جب یہ ٹوپی پرانی اور میلی کچیلی ہو۔ (مراقی الفلاح ص-197، کتاب النوازل-4/92)

س: اگر کسی کا پینٹ ٹخنے کے نیچے جارہا ہو تو نماز پڑھتے وقت کیا ان کو موڑ کر ٹخنہ سے اوپر کیا جاسکتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے نماز نہیں ہوگی؟

ج: اگر پائجامہ یا پینٹ اتنا لمبا ہو کہ اس سے ٹخنے ڈھک رہے ہیں، تو نماز پڑھتے وقت خاص طور سے ٹخنوں کو کھلا رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے، اگر چہ ٹخنہ کھولنے کا حکم ہر وقت ہے، لیکن نماز کے وقت تو اس حکم پر ضرور ہی عمل کرنا چاہئے۔ لہٰذا اگر کوئی دوسرا طریقہ ٹخنے کھولنے کا ممکن نہ ہو تو اس کے لئے پائچے موڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ اندر کی طرف موڑ لے۔ اس لئے کہ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ ٹخنہ سے نیچے لٹکنے والا ازار جہنم کا ایندھن ہے۔ اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ وضوء کرو (پھر فرمایا) اللہ تعالیٰ ازار لٹکا کر نماز پڑھنے والے کی نماز قبول نہیں کرتا۔ (ابوداؤد صلاۃ باب الاسبال فی الصلاۃ) اس طرح پینٹ موڑنا اگر چہ کوئی اچھی ہیئت قرار نہیں دی جاسکتی لیکن ٹخنے بند رکھنے کی برائی کے مقابلہ میں یہ ہلکی چیز ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے نماز نہیں ہوگی ان کی بات غلط ہے۔

س: آج کل خواتین جو لباس پہنتی ہیں اس میں ان کے جمپر (کرتے) کی آستین عموماً گٹے تک نہیں ہوتی ہیں، نماز پڑھتے ہوئے عورتیں اپنا ہاتھ اوڑھنی سے ڈھانپ لیتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان کا ہاتھ اوڑھنی سے باہر نکل آئے تو کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟

ج: اگر نماز پڑھنے والی عورت کا ایک چوتھائی ہاتھ تین مرتبہ تسبیح پڑھنے کے بقدر کھلا رہ گیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر جان بوجھ کر ہاتھ نکالا تو فوراً نماز فاسد ہو جائے گی۔ (بدائع-1/307)

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاذ مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر

دمشق کے ایک معروف اشاعتی ادارہ ''دارِ ابن کثیر'' نے دنیا کے بلند پایہ علما کے تعارف پر کتابیں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس کے پانچویں جز کی اشاعت ۱۹۹۸ء میں ہوئی جس میں ۲۷۵ صفحات میں سید عبدالماجد غوری کی ترتیب کردہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (علی میاں ندویؒ) کی سوانح شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں دمشق یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے سابق سربراہ ڈاکٹر مصطفیٰ سعید الحق نے مولانا علی میاں کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا موصوف ۱۹۵۶ء میں دمشق یونیورسٹی کی دعوت پر ''رجال الفکر والدعوۃ'' کے عنوان پر محاضرات پیش کرنے کے لئے دمشق تشریف لائے تو یونیورسٹی کی طرف سے ایک نہایت شاندار ہوٹل میں آپ کے قیام کا نظم کیا گیا۔ مگر آپ نے یونیورسٹی کی اس پیشکش کو قبول نہیں کیا بلکہ سادگی اور تواضع کے ساتھ ایک مسجد کے حجرے میں قیام پسند فرمایا، تاکہ عبادت والا ماحول میسر رہے اور پھر اس شان سے محاضرات پیش کیئے کہ پورے ملک میں دھوم مچ گئی۔ ان محاضرات کی کامیابی میں مولانا مرحوم کی انابت الی اللہ کو بڑا دخل تھا۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۰ء)۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تقریر و تحریر وعظ و نصیحت اور پند و موعظت میں نہ صرف اثر اندازی کی باطنی طاقت بلکہ ظاہری آب و تاب بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب تقریر و تحریر مقرر و محرر کے صرف ''قال'' کی ترجمان نہ ہو، بلکہ حال کی عکاس ہو۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے اس طرز عمل سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اصلاحِ امت کے لئے داعی و مبلغ اور مصلح و ناصح کے اندر عمل کی بھرپور طاقت اور خلق خدا کی خدمت کا سچا جذبہ ہو۔

تاریخ شاہد ہے اور مصلحین امت کی سیرت و سوانح پڑھنے سے یہ بات بخوبی عیاں اور بیاں ہوتی ہے کہ جو داعی اور مبلغ بھی عمومی دعوت لے کر اٹھا ہے۔ اور اس کی دعوت میں مرکزیت اور ہمہ گیری آئی ہے وہ عمل اور ذوقِ عبادت اور جذبۂ خدمت کے اعتبار سے امتیازی مقام پر فائز تھا۔ اسی کثرتِ عبادت نے اس کی زبان و قلم میں وہ اثر انگیزی پیدا کی کہ زندگی ہی میں نہیں بلکہ وفات کے بعد بھی اس کا فیض محسوس طور پر جاری رہا۔

جو داعی ان صفات سے متصف ہوگا اور گفتار سے زیادہ کردار کا غازی ہوگا۔ اس کی زبان سے نکلنے والے چند سادے اور بے ربط کلمات بھی ایسا اثر رکھیں گے کہ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کی لمبی لمبی لچھے دار تقریروں میں بھی وہ تاثیر نہیں ہوگی۔

آج مقرروں اور واعظوں کی کمی نہیں ہے اور نہ ہی علم اور معلومات کی کمی ہے، بلکہ کمی ہے کردار کی، عمل کی، روح کی، اخلاص کی، خونِ جگر کی، للّٰہیت کی، خلوص کی، قوتِ عمل کی، جب تک یہ چیزیں پیدا نہ ہوں گی تاثیر کبھی پیدا نہیں ہوگی۔

اقبال نے سچ کہا ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام، خونِ جگر کے بغیر

☆☆☆